صحاحِ ستّہ

اور اُن کے

مؤلفین



ناشر

ادارہ علوم اثریہ، لائلپور

صحاح ستہ

اور ان کے

مؤلفین



زیر ادارت

الاستاذ محمد عبدہ الفلاح الفیروزپوری

ناشر

ادارۂ علوم اثریہ لائلپور

ملنے کا پتہ

اہل حدیث اکادمی ○ کشمیری بازار ○ لاہور

قیمت مجلد ۵۰/۴ روپیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

علمائے اسلام نے علمِ حدیث کی تالیف و تدوین اور اس کی حفاظت کے سلسلہ میں جو کاوشیں کی ہیں وہ محتاجِ بیاں نہیں۔ ان کی محنت کشی کا یہ نتیجہ ہے کہ آج قرآن کے ساتھ احادیث بھی ہر قسم کی تحریف و تلبیس سے محفوظ و مصئون ہیں اور مخالفین کی کوششوں کے علی الرغم ان کی صحت میں کسی قسم کا خلل پیدا نہیں ہو سکا۔

محدثین نے احادیث کی جمع و تدوین تک ہی اپنی مساعی کو محدود نہیں رکھا بلکہ فنی حیثیت سے ان کی جانچ پڑتال بھی کی ہے۔ فقہ الحدیث کو مرتب کیا ہے اور روایت و درایت کے اعتبار سے اصولِ تنقید بھی وضع کیے ہیں۔ الغرض بحث و تمحیص کا کوئی پہلو بھی تشنہ نہیں چھوڑا جس پر سیر حاصل بحث نہ کی ہو۔

علومِ حدیث کے انواع و اقسام قائم کیے۔ چھان بین کے بعد کتبِ حدیث کو طبقات میں تقسیم کیا۔ ان کے لئے خاص اصطلاحات وضع کیں۔ چنانچہ صحیحین، سنن اربعہ، اصولِ خمسہ اور ستہ وغیرہ اصطلاحات علماء کے مابین متداول اور معروف چلی آتی ہیں۔ یہاں صرف اس آخری اصطلاح (اصولِ ستہ) کے متعلق کچھ عرض کرنا ہے جو ہمارے اس مقالہ کا عنوان ہے۔

واضح رہے کہ محدثین کی اصطلاح میں اصل اس کتاب کو کہا جاتا ہے جسے صحت و استفاضہ کے ساتھ تلقی بالقبول کا شرف بھی حاصل ہو۔ امام سخاوی فتح المغیث میں رقمطراز ہیں:۔

" و معنی الاصل: ماجمع بین الصحۃ و الاستفاضۃ و القبول فرقی علیا درجاتہا فما دونہا یسیر[1] "

اسی معنی میں حدیث کی چھ کتابوں پر، جو کہ طبقہ اولیٰ اور ثانیہ سے تعلق رکھتی ہیں،

علماء نے "اصول" کا لفظ استعمال کیا ہے جن کو "امہات" اور صحاح ستہ بھی کہا جاتا ہے اور وہ صحیحین اور سنن اربعہ ہیں [1]

ان چھ کتابوں میں سے پانچ کے "اصول" ہونے پر تو اتفاق ہے اور علمائے فن نے ان کو کتب معتمدہ" کا لقب دیا ہے۔ گو ان پر "صحاح" کا اطلاق مبنی بر تساہل ہے — ابن الصلاح اپنے مقدمہ میں لکھتے ہیں [2]

و ذکر الحافظ ابو طاهر السلفی الکتب الخمسة و قال: اتفق علی صحتها علماء الشرق و الغرب و هذا تساهل

جس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ ان میں ضعیف اور منکر روایات بھی ہیں۔ اس بنا پر حضرت الامیر القنوجی مسک الختام میں لکھتے ہیں:۔

"و تسمیہ آں بصحاح بطریق تغلیب است"

الغرض ان پانچ کتابوں کے اصول ستہ یا صحاح ستہ میں سے شمار ہونے میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے مگر چھٹی کتاب میں اختلاف ہے بعض نے ابن ماجہ اور بعض نے مؤطا مالکؒ یا دارمی کا نام ذکر کیا ہے۔

عموماً مشہور یہ ہے کہ ابن طاہر مقدسی (ابوالفضل محمد بن طاہر متوفی ۵۰۷ھ) پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے "شروط الائمۃ الستۃ" اور "اطراف ستہ" دو کتابیں لکھ کر اصول ستہ کی اصطلاح قائم کی اور ابن ماجہ کو اصول میں داخل کر دیا۔ چنانچہ امام سیوطی لکھتے ہیں [3]

قیل و اول من ضمه الیها ابن طاهر المقدسی

اس کے بعد امام سیوطیؒ نے گو "فتابعه اصحاب الاطراف و الرجال" لکھ کر اس کی قبولیت اور شہرت کی طرف اشارہ بھی کر دیا ہے تاہم اس پر اتفاق نہیں ہو سکا خود ابن طاہر کے معاصرین میں سے رزین بن معاویہ مالکی (۵۲۵ھ) وہ محدث ہیں جنہوں نے ابن ماجہ کی بجائے مؤطا کو اصول میں جگہ دی ہے اور ابن الاثیر جزری (۶۰۶ھ) نے جامع الاصول میں اسی کو ترجیح دی ہے۔ امام سیوطی ابوجعفر غرناطی کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

---

[1] مسک الختام مقدمہ [2] ص ۴۶-۴۷ [3] التدریب ص ۹۹

"کتب خمسہ کیساتھ موطا مالک کی صحت پر مسلمانوں کا اتفاق ہو چکا ہے
کیونکہ موطا وہ کتاب ہے جو تصنیف میں ان پر مقدم ہے اور صحت کے اعتبار سے
بھی ان سے کم نہیں ہے"[1]

دونوں طرف شہرت، قبولیت اور اتفاق کا دعویٰ ہے۔ دراصل اس باب میں علماء کے دو گروہ ہیں اور ان دونوں نے ان کتابوں کی علاقائی شہرت واستفاضہ کے باعث ایک کو دوسرے پر ترجیح دی ہے۔ چنانچہ حافظ عبدالغنی المقدسی (۱۱۴۳ھ) ان دونوں کتابوں کا تذکرہ کرتے ہوئے کہ ان میں سے کس کو اصول میں داخل کرنا راجح ہے، اپنے "ذخائر" میں لکھتے ہیں۔

"فعند المشارقة ابن ماجه وعند المغاربة المؤطا"

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ "ابن ماجہ" کا اصول سے ہونا صرف علماءِ مشرق کے ہاں شہرت پذیر ہوا ہے اور حافظ ابن کثیر اور ابن خلدون نے بھی اسی شہرت کے پیش نظر ابن ماجہ کو "سادس الستہ" قرار دیا ہے اور ابوالحسن سندھی کا اس قول کو متاخرین کی اکثریت کی طرف منسوب کرنا بھی اسی بنا پر ہے ورنہ تو ابن ماجہ اس پایہ کی کتاب نہیں ہے کہ موطا مالک سے اس کا موازنہ کیا جاوے۔

یہاں پر ایک تیسرا گروہ بھی ہے جس نے اصول کی چھٹی کتاب دارمی قرار دی ہے اور یہ قول حافظ صلاح الدین العلائی (۷۶۱ھ) کی طرف منسوب ہے اور حافظ ابن حجر نے ان کی تائید کی ہے۔ چنانچہ علامہ سیوطی لکھتے ہیں[2]

وقال شیخ الاسلام لیس دون السنن فی الرتبة
بل لو ضم الی الخمسة لکان اولی من ابن ماجه
فانه امثل منه کثیر

حافظ نے گو دارمی پر نقد بھی کیا ہے اور امام سیوطیؒ لکھتے ہیں۔

وقد سماہ بعضهم بالصحیح قال شیخ الاسلام
ولم ار لمغلطای سلفا فی تسمیة الدارمی صحیحا

---

[1] فتح المغیث ص ۳۳ [2] التدریب ص ۱۰۲

اور عراقی نے بھی دارمی پر جرح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

"اس میں مرسل، معضل، منقطع اور مقطوع روایات بکثرت موجود ہیں"

تاہم اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ابن ماجہ سے درجہ میں کم ہے یا حافظ کا اشل منہ بکثیر کہنا مبنی بر تساہل ہے۔ آخر سخاوی نے ابن ماجہ کے متعلق بھی تو لکھ دیا کہ:۔

" سنن ابن ماجه ليست كذالك

کہ ابن ماجہ اصول کی کتابوں میں داخل کرنے کے لائق نہیں ہے

وقد تفرد عن رجال متهمين بالكذب

ہمارے بعض معاصر علماء نے شیخ الاسلام کے اس قول (اشل منہ بکثیر) پر تنقید کرتے ہوئے لکھا کہ:۔

"حافظ نے تہذیب الکمال مزی کا مختصر لکھ کر عملاً اس کی مخالفت کی ہے مگر تہذیب الکمال کے اختصار کو عملی مخالفت قرار دینا محل تعجب ہے کما لا يخفى على اصحاب العلم و الفن"

الغرض ہماری رائے میں مؤطا مالکؒ کو اصول کی چھٹی کتاب قرار دینا اولیٰ واقرب الی الصواب ہے۔ "صحاح ستہ" کے عنوان کے تحت ابن ماجہ کو شامل کرنا علاقائی شہرت کی بنا پر ہے جو اہلِ علم پر مخفی نہیں ہے۔ ہم نے چونکہ مؤطا اور دارمی پر مستقل مقالے شائع کرنے کا پروگرام بنایا ہے اس لیے اس عنوان کے تحت ابن ماجہ کو شامل کر دیا ہے۔

یہ رسالہ (صحاح ستہ اور اس کے مؤلفین) ادارہ میں زیرِ تربیت علماء کی محنت کا نتیجہ ہے اور انہوں نے ائمہ ستہ اور ان کی مؤلفات پہ جو کچھ جمع کیا ہے وہ محض فنی نقطۂ نظر سے جمع کیا ہے یعنی اس سے مقصود طول بیانی نہیں ہے جیسا کہ عموماً ناشرین سے مزید وصول کرنے کے لیے مؤلفین کتاب کا حجم بڑھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ صرف فنی نقطۂ نظر سے اور وہ بھی مختصر طور پہ صحاح ستہ کے متعلق ائمہ کے خیالات کی ترجمانی کی گئی ہے۔ کما هو العادة في المحاضرات و الخطابات

ادارہ کی طرف سے یہ پہلا رسالہ ہے جو ہم علماء و طلبۂ حدیث کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ علاوہ ازیں امام دارقطنیؒ "تدوین اصول حدیث" اور "کتابت حدیث تا عہد تابعین" تین مقالے اور ہیں جو تا حال کتابت کے مرحلہ میں ہیں اور یہ ساری کوشش تخصص

فی الحدیث کے سلسلہ میں ادارہ کی یکسالہ سُنت کا نتیجہ ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ناظم ادارہ اور اراکین (شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ صاحب، مولانا محمد رفیق صاحب مدنپوری مولانا عبدالغفور صاحب) کو جو کہ ادارہ کی ترقی کے لیے شب و روز محنت کر رہے ہیں، مزید اخلاص عمل کی توفیق بخشے۔

یہ محض ایک تعمیری منصوبہ ہے جس کی طرف جماعت کے علماء اور اصحابِ ثروت کو بھی توجہ دینا چاہیے۔ فی زماننا وعظ و تبلیغ اور مناظروں ایسے کاموں پہ تو ہمارے اصحابِ ثروت بہت کچھ خرچ کرنے کے عادی ہیں جن کا فائدہ وقتی تو ہے مگر پائیدار نہیں بخصوص اور علمی کام کے لیے کچھ کہنا بھی صد ہا دشواریوں کا مقابلہ کرنا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ ہمارے علماء اور دینی جذبہ رکھنے والے مالدار حضرات کو توفیق دے کہ وہ اس کام کی طرف توجہ دیں۔

والسلام

محمد عبدہٗ خادمِ ادارہ علوم اثریہ

لائل پور

(مطبوعہ: اشرف پریس لاہور)

مراجع

ابن ماجہ اور علم حدیث
اتحاف النبلاء
اختصار علوم الحدیث
اسد الغابۃ
الاصابۃ
اعلام المحدثین
الاقتراح فی اصول الحدیث
الامام البخاری محدثا وفقیہاً
الانساب، للسمعانیؒ
الانصاف فی بیان سبب الاختلاف
الباعث الحثیث
البدایۃ والنہایۃ
البدر الطالع
بذل المجہود
بستان المحدثین
بیان کذب المفتری
التاج المکلل
تاریخ بغداد
التاریخ الکبیر
تحفۃ الاحوذی
تحفۃ الاشراف
تدریب الراوی
تذکرۃ المحدثین
تراجم ابواب
تصحیح النظر فی توضیح نخبۃ الفکر
التعلیقات السلفیہ علی سنن النسائی
تفسیر ابن کثیرؒ
التقریب للنوویؒ
تلخیص الحبیر
توجیہ النظر
توضیح الافکار
تہذیب الاسماء والصفات
تہذیب التہذیب
جامع الاصول
الجامع للترمذیؒ
جلاء الافہام
الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح
حجۃ اللہ البالغہ
حدائق حنفیہ
حسن المحاضرہ
الحطہ
الخلاصہ
الرسالۃ المستطرفہ
الرفع والتکمیل
الروض الممطور
سنن ابن ماجہؒ
سنن ابی داؤدؒ
السنن الکبری
سیرۃ البخاریؒ
شرح نخبۃ الفکر
شرح تراجم ابواب
شروط الائمہ
شذرات الذہب
الشماریخ
صحیح بخاریؒ
صحیح مسلمؒ
صحیفہ ہمام بن منبہؒ
طبقات ابن سعدؒ
طبقات حنابلہ

طبقات شافعیہ
عمدۃ القاری
فتح المغیث
الفوائد المجموعۃ
القول الحسن
کتاب المراسیل لابن ابی حاتم
اللآلی المصنوعہ
مرقاۃ المفاتیح
معرفۃ علوم الحدیث
مفتاح السنہ
مقدمہ تاریخ ابن خلدون
مقدمہ شرح مسلم
المنتظم
النکت لابن حجر "قلمی"
نیل الاوطار
ہدایۃ السائل

العبر
عون المعبود
فتح الملہم
قواعد التحدیث
کتاب الخراج لیحیٰی بن آدم
کشف الظنون
لسان المیزان
معارف السنن
معجم البلدان
مقدمہ ابن الصلاح
مقدمہ تحفۃ الاحوذی
مقدمہ فیض الباری
میزان الاعتدال
نصب الرایہ
وفیات الاعیان

عجالۃ النافعہ
فتح الباری
الفوائد البہیۃ
القول المسدد
کتاب الرد علی الکرابیسی
اللامع الدراری
ماتمس الیہ الحاجہ
معالم السنن
المغنی لابن قدامہ
مقدمہ ارشاد الساری
مقدمہ الترمذی للشیخ احمد شاکر
مقدمہ غایۃ المقصود
موضوعات ابن جوزی
نموذج الاعمال الخیریہ
ہدیۃ الساری



محمد بن اسماعیل بخاریؒ

۱۹۴ــــــ۲۵۶

سکہ کہ در یثرب و بطحا زدند نوبت آخر بہ بخارا زدند

امام بخاری امیر المومنین فی الحدیث اور سید الفقہاء ہیں، اور ان کی "الصحیح" کو "اصح الکتب بعد کتاب اللہ" ہونے کا شرف حاصل ہے، یہی دو باتیں ہیں جن کی تفصیل اس مقالہ میں مقصود ہے۔

ولادت و نشات: امام بخاری ۱۳ شوال ۱۹۴ھ کو بخارا میں پیدا ہوئے، ان کے والد اسماعیل بن ابراہیم علم و تقویٰ میں خصوصی شہرت کے حامل اور بڑے پایہ کے محدث تھے امام مالکؒ کے تلمیذ اور صحبتی تھے، امام مالک کے علاوہ حماد بن زید اور دیگر اعیان زمانہ سے احادیث روایت کیں، عبداللہ بن مبارک سے مصافحہ کیا اور احمد بن حفص اور اہل عراق نے ان سے حدیث روایت کی چنانچہ ابن حبانؒ نے کتاب الثقات میں اور امام بخاری نے تاریخ کبیر میں اپنے والد کے حالات قلمبند کیے ہیں، جس طرح امام بخاریؒ کے والد بڑے پایہ کے محدث تھے اس طرح ان کی والدہ بھی بہت بڑی عابدہ تھیں چنانچہ بعض نے امام بخاریؒ کے متعلق لکھا ہے "نقلد رب فی حجر العلم و ارتضع ثدی الفضل" کہ امام بخاریؒ نے علم کی گود میں پرورش پائی اور علم و فضل کے پستان سے دودھ پیا۔ والد نے اپنے پیچھے ثروتِ مال کے ساتھ ثروت علمی کا ورثہ بھی چھوڑا تھا چنانچہ خاندان کی علمی روایات کو قائم رکھنے کے لیے اس بچہ کو مکتب میں بٹھایا گیا تاکہ کتابت و قرأت کے ساتھ قرآن و حدیث کا علم حاصل کرے اور اپنے والد کے علمی ترکہ کی حفاظت کر سکے۔

جعفی کی نسبت اور اسکی حقیقت: امام موصوف کے خاندان کی نسبت میں "جعفی" کا لفظ خاص اہمیت رکھتا ہے، یمان حاکم بخاری کے ہاتھ پر ان کے جد ثانی "جعفر بن بردزبہ" مشرف بہ اسلام ہوئے تھے

اس وجہ سے امام بخاری کو بھی جعفی کہا جاتا ہے، اس نسبت کو نسبت ولاء اسلام کہا جاتا ہے ورنہ امام بخاری کا خاندان ہمیشہ آزاد چلا آیا ہے، اور کبھی بھی غلامی کے عیب سے ملوث نہیں ہوا۔

امام بخاری کے خاندان کا اس حاکم خاندان سے صرف ولاء کا تعلق نہ تھا، یمان حاکم بخاری کے سفید (پوتے) عبداللہ المسندی بڑے پایہ کے محدث باکمال تھے اور ان سے امام بخاری کو شرف تلمذ حاصل تھا، اور دوسری طرف احمد بن ابو جعفر والی بخاری صحیح بخاری کے رواۃ میں سے تھے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس خاندان سے نسبت ولاء کے علاوہ علمی روابط بھی تھے۔

ابتدائی تعلیم:- صغر سنی ہی میں علم کی طرف بے پناہ رغبت تھی، یہ رجحان صرف شوق کی حد تک ہی نہ تھا، بلکہ اس سلسلہ میں آپ نے عملی طور پر ایک امتیازی حیثیت اختیار کی اور جملہ علوم میں تحقیق و تنقید کا ملکہ راسخہ حاصل کیا، جس پر کہ علامہ داخلی کا بیان کردہ قصہ ایک منہ بولتی دلیل ہے۔

اساتذہ:- امام بخاری نے کسب فیض کے لئے جن ائمہ وقت کی خدمت میں حاضری دی ان میں امام احمد بن حنبل، علی بن المدینی، ابن معین، محمد بن سلام بیکندی محمد بن یوسف، عبداللہ بن محمد، ابراہیم بن الاشعث خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

فائدہ:- جعفر بن محمد نے آپ کے اساتذہ کی تعداد ایک ہزار سے زائد بتائی ہے، جن میں سے امام صاحب نے بقول علامہ کرمانی اپنی صحیح میں (۲۸۹) شیوخ سے روایت لی ہے۔

تنبیہ:- اصحاب صحاح ستہ جن مشائخ میں شریک ہیں انکا ذکر یہاں فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

(۱) محمد بن بشار بندار المتوفی ۲۵۶ھ
(۲) محمد بن المثنی ابو موسیٰ المتوفی ۲۵۲ھ
(۳) زیاد بن یحیی الحسان المتوفی ۲۵۴ھ
(۴) عباس بن عبدالعظیم العنبری م ۲۴۶ھ
(۵) ابو سعید الاشج عبداللہ بن سعید الکندی
(۶) ابو حفص عمرو بن علی الفلاس م ۲۴۹ھ
(۷) یعقوب بن ابراہیم الدورقی م ۲۵۲ھ
(۸) محمد بن معمر القیسی البحرانی م ۲۸۶ھ
(۹) نصر بن علی الجھضمی م ۲۵۰ھ

[1] مقدمۃ الترمذی للشیخ احمد الشاکر ص۸۱

معرفتِ علل :- امام بخاریؒ صرف حفاظ حدیث سے ہی نہ تھے بلکہ آپ کو فقہ و اجتہاد کے ساتھ ساتھ عِلل حدیث میں بھی ایک بہت بڑا مقام حاصل ہے، اور فن رجال میں امام تسلیم کئے گئے تھے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں :-

"لم ار احداً بالعراق ولا بخراسان فی معنی العلل والتاریخ ومعرفة الاسانید کبیر احد اعلم من محمد بن اسماعیل۔"

مورخین نے امام صاحب کے علم وفضل سے متعلق متعدد واقعات بیان کئے ہیں ہم یہاں صرف ان سے ایک واقعہ بیان کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔

احمد بن حمدون کا کہنا ہے :-

"رأیت البخاری فی جنازة ومحمد بن یحیی الذھلی یسألہ عن الاسماء والعلل والبخاری یمر فیہ مثل السھم کانہ یقرأ قل ھو اللہ احد۔"

(ھدی الساری)

تنبیہ :- حافظ مسلم بن قاسم اندلسی (م ۳۵۳ھ) نے لکھا ہے کہ امام بخاری کو علل حدیث میں یہ کمال دراصل ابن المدینی کی وجہ سے تھا، کیونکہ امام بخاری نے ان کی علل ان کی عدم موجودگی میں ان کے صاحبزادے سے نقل کرلی تھی، لیکن مسلم کے عدم علم کی بناء پر اسے صحیح نہیں مانا جاسکتا جیساکہ حافظ ابن حجر نے "التہذیب" میں اس کا جواب دیا ہے۔ اس سے متفق ہونے کے ساتھ "ان جاء فاسق بنبأ فتبینوا" کے مسلم قانون کے مطابق دیکھنا یہ ہے کہ یہ خبر دینے والے کتب رجال میں کیسے آدمی ہیں، مسلم کا ترجمہ قائم کر کے علامہ ذہبی فرماتے ہیں :-

"مسلم بن القاسم القرطبی کان فی ایام ..... الاموی ضعیف الخ" (میزان الاعتدال ص ۳۵)

قاضی محمد بن یحیٰی کا بیان ہے کہ اندلس کی جماعت نے اسے کذاب کہا ہے لیکن یہ بات قرین قیاس نہیں البتہ اس کا حافظہ کمزور تھا۔ پس اس علت کے ہوتے ہوئے مسلم کی بات کو معتبر اور امام بخاری کی عدالت و امامت کو داغ دار کرنا حقیقت سے اعراض کے مترادف ہے۔

امام کے فضل کا اعتراف :- صرف متاخرین ہی کو نہیں، بلکہ آپ کو اساتذہ وشیوخ بھی نہایت قدر کی نگاہوں سے دیکھتے تھے اور پھر یہ بات خاص اہمیت کی حامل ہے کہ تلمیذ کے بارے میں اساتذہ کی رائے نہایت، معتبر اور صحیح ہوتی ہے کیونکہ وہ اپنے شاگرد کی ذہانت و فطانت سے بخوبی واقف ہوتے ہیں، اور فہم و فراست کے بھانپنے والے ہوتے ہیں۔

چنانچہ امام بخاری اور دوسرے اصحاب صحاح کے شیخ ابو مصعب فرماتے ہیں:۔

"محمد ابن اسمعیل افقہ عندنا وابصر بالحدیث من احمد بن حنبل رح"

"محمد بن بشار المتوفی ۲۴۸ھ نہ صرف آپ پر فخر کرتے ہیں بلکہ آپ کو سید الفقہاء کے ممتاز لقب سے یاد کرتے ہیں۔ اسی طرح حسین بن حریث م ۲۴۴ھ کا قول ہے:۔

" ما رأیت مثل محمد بن اسمعیل کانہ لم یخلق الا للحدیث"

امام علی بن المدینی جن کے متعلق امام بخاری فرماتے ہیں "ما استصغرت نفسی الا عند الامام علی بن المدینی" وہ جب حدیث بیان کرتے تو بار بار امام بخاری کی طرف التفات فرماتے، اس کھٹکے سے کہ کہیں اس میں غلطی تو نہیں۔

حامد بن احمد رح نے امام بخاری کا مذکورالصدر قول جب ان کے سامنے پیش کیا تو فرمانے لگے "دعوا قولہ فانہ ما رأی مثلہ" آپ کے شیوخ کے علاوہ معاصرین نے بھی داد و تحسین میں بہت کچھ حصہ لیا ہے، جسے ترتیب دے کر ایک مستقل رسالہ لکھا جا سکتا ہے، لیکن ہم اس بحر بے کراں شخصیت کے فضائل کو حافظ ابن حجر رح کے قول پر ختم کرتے ہیں۔

"ولو فتحت باب ثناء الائمہ علیہ ممن تاخر عن عصرہ لفنی القرطاس ونفدت الانفاس فذاک بحر لا ساحل لہ۔

تصانیف :- امام صاحب نے جہاں ایک لاکھ سے زائد کبار محدثین کو مستفید فرمایا وہاں آپ کی گرانمایہ تالیفات بھی ہیں جو تیئیس ۲۳ کے لگ بھگ ہیں جو قیامت تک کے لئے امت کا مذہبی اثاثہ ہیں اور وہ مندرجہ ذیل ہیں :-

(۱) الجامع الصحیح (۲) التاریخ الکبیر (۳) التاریخ الصغیر

(۴) کتاب الضعفاء الصغیر (۵) کتاب الکنی (۶) الادب المفرد

(۷) جزء رفع الیدین (۸) جزء القراءۃ (۹) التاریخ الاوسط
(۱۰) کتاب الاشربہ (۱۱) اسامی الصحابہ (۱۲) برالوالدین
(۱۳) التفسیر الکبیر (۱۴) الجامع الکبیر (۱۵) خلق افعال العباد
(۱۶) کتاب العلل (۱۷) قضایا الصحابہ والتابعین (۱۸) کتاب المسند الکبیر
(۱۹) کتاب الوحدان (۲۰) کتاب المبسوط (۲۱) کتاب الہبۃ
(۲۲) سنن الفقہاء (۲۳) مشیخہ (۲۴) کتاب الفوائد

صحیح:- یوں تو اس کتاب کے لئے امام بخاری کی تالیف ہونا ہی حجت ہے، پھر بھی شہرت و قبولیت کے اعتبار سے "الجامع الصحیح" کا درجہ انتہائی بلند ہے۔

سبب تالیف:- یہ بات مسلمات میں سے ہے کہ عہد نبوی کے بعد صحابہ و تابعین میں تدوین حدیث کا عام رواج ہو چکا تھا، متعدد صحابہ نے اپنے صحیفے جمع کر رکھے تھے اور تابعین و تبع تابعین کے دور میں تو تدوین کا سلسلہ ترقی پر تھا اور ان میں بہت کم ایسے محدث نظر آتے ہیں، جنہوں نے اپنی مرویات کو یک جا نہ کیا ہو۔

ان کتب میں موطا مالک، جامع سفیان ثوری، مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف عبدالرزاق مسند احمد وغیرہ سرفہرست ہیں لیکن ان جملہ کتب میں ہر قسم کی (ضعیف، شاذ، منکر) بلکہ بسا اوقات موضوع روایات بھی درج کر دی گئی تھیں۔ اس وجہ سے ایک عام آدمی کو ان سے استفادہ کرنا نہایت مشکل تھا۔

امام بخاری نے ان جملہ تصانیف کو گہری نظر سے جانچا اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ ایک مجموعہ ایسا ہونا چاہیئے جو صرف صحیح احادیث پر مشتمل ہو اور اس میں کسی قسم کا بھی شک و ریب نہ ہو، اور پھر آپ کے استاد اسحاق بن راہویہ نے آپ کے اس عزم کو اور بھی مضبوط کر دیا۔

چنانچہ منقول ہے کہ انہوں نے ایک مجلس میں امام بخاری کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:-

"لو جمعتم کتابا مختصرا لصحیح لسنن النبی صلی اللہ علیہ وسلم"

امام موصوف فرماتے ہیں کہ شیخ کا یہ فرمان میرے دل میں اتر گیا۔ میں نے اسی دن سے "الجامع الصحیح" کی تدوین کا کام شروع کر دیا، اور غالباً آپ نے انہی ایام میں یہ خواب بھی دیکھا کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر سے پنکھے کے ساتھ مکھیاں اڑا رہے

ہیں، علماء نے اس کی تعبیر یہ کی کہ آپؒ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف غلط طور پر منسوب روایات کو دور فرمائیں گے یہ سب کچھ آپ کے اشتیاق میں مزید اضافہ کا باعث بنا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ آپ "الجامع الصحیح" کی تالیف میں ہمہ تن مصروف ہوگئے، اور اپنے حسن ذوق سے احادیث صحیحہ کا ایک نہایت عمدہ مجموعہ مرتب کرلیا جو تقریباً ۱۶ برس کی محنت وکاوش سے پایہ تکمیل کو پہنچا اور اس کا نام آپ نے "الجامع المسند الصحیح المختصر من امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسننہ وایامہ" تجویز فرمایا۔

تذکرہ نویسوں نے سبب تالیف میں اگرچہ ان امور کو سرفہرست رکھا ہے لیکن درحقیقت انہی امور پر اس کو منحصر قرار دینا تو یقیناً اس سے صحیح بخاری کی صحیح ترجمانی نہیں ہوگی، بلکہ اس کا تو یہ مطلب ہوگا کہ امام بخاریؒ کے پیش نظر سند حدیث کے علاوہ متن حدیث کی خدمت کا کوئی لائحہ عمل ہی نہ تھا، حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ ان کے پیش نظر حدیث کے یہ دونوں پہلو تھے، بلکہ اس سے بڑھ کر مسائل کا استنباط واستخراج بھی تھا چنانچہ علامہ نووی فرماتے ہیں۔

لیس مقصود البخاری الاقتصار علی الحدیث فقط بل مراده الاستنباط والاستدلال لابواب اوردها لهذا المعنی اخلی کثیرا من الابواب عن اسناد الحدیث واقتصر فیه علی قوله فیه فلان عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ونحو ذالک الخ"

اسی طرح شاہ ولی اللہ نے امام بخاری کے سبب تالیف اور امام بخاری کے مقصود کو ان الفاظ سے بیان فرمایا ہے،

واراد ایضا ان یفرغ جهده فی الاستنباط من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ویستنبط من کل حدیث مسائل کثیرة و هذا امر لم یسبقه الیه غیره " شرح تراجم ابواب ص۳۱۲ (طبع دکن)

یہی نہیں بلکہ اس سے قبل حافظ اسماعیلی نے بھی امام بخاری کی اس خدمت کی طرف اشارہ فرمایا ہے، فرماتے ہیں۔

انی نظرت فی کتاب الجامع الذی الفه ابوعبد اللہ البخاریؒ و رایته جامعا کما سمی الخ هدی الساری ص٦

تو گویا حافظ اسماعیلی نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ امام بخاری رحمہ کے نصب العین کا پتہ خود ان کی کتاب کے نام سے ظاہر ہوتا ہے اور وہ ہے،

"الجامع المسند الصحیح المختصر من امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسننہ وایامہ" جس میں سند بلحاظ سند حدیث اور الجامع باعتبار متن حدیث مراد لیا ہے جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ امام صاحبؒ کا مقصد صرف صحیح احادیث ہی جمع کرنا نہ تھا، بلکہ اس کے علاوہ متن حدیث اور استنباط کا بیان کرنا بھی مقصود تھا۔۱۲

"الصحیح" کی مقبولیت:۔ امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ کی جملہ تصانیف میں "الجامع الصحیح کو" جو مقام و مقبولیت میسر ہوئی ہے وہ متقدمین اور متاخرین میں سے کسی ایک کی کتاب کو حاصل نہیں ہوئی، امام شافعی رح نے صحاح ستہ میں سے موطا امام مالک کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ قرار دیا لیکن حافظ ابن الصلاح کی تصریح کے مطابق یہ حکم "الجامع الصحیح" کی تالیف سے قبل تو درست تھا، البتہ اس کے معرض وجود میں آنے کے بعد کسی کو بھی اس کا حق چھیننے کی جسارت نہیں ہوئی۔ اور اس کے اعلےٰ وارفع واصح ہونے کا اقرار بایں الفاظ "اصح الکتب بعد کتاب اللہ الجامع الصحیح للبخاریؒ" کرنا پڑا۔

صحیح بخاری ایک ایسی کتاب ہے کہ اگر اس پر فنی نقطہ نگاہ سے بحث کی جائے اور اس کے تمام محتویات کا احاطہ کیا جائے تو کئی ضخیم جلدیں درکار ہیں چنانچہ اسی جامعیت کی طرف ابن خلدون اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"ولقد سمعت کثیرا من شیوخنا یقولون شرح البخاری دین علی الامۃ"

اور ابوزید مروزی فرماتے ہیں:۔

"وکنت قائما بین الرکن والمقام فرأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال لی یا ابا زید تدرس کتاب الشافعی ولا تدرس کتابی فقلت یا رسول اللہ وما کتابک قال جامع محمد بن اسمعیل البخاری"

امام بخاری فرماتے ہیں کہ میں نے اسے کعبہ میں بیٹھ کر مرتب کیا، ہر حدیث کے لکھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھتا اور استخارہ کرتا، جب یقین ہو جاتا تو میں اس حدیث

کو "الجامع الصحیح" میں درج کر لیتا، ابو جعفر عُقیلی رقمطراز ہیں۔

جب امام بخاری نے "جامع" کے مکمل ہونے پر اس کو اپنے شیخ علی بن مدینیؒ، احمد بن حنبلؒ، ابن معین وغیرہم کی خدمت میں پیش کیا تو سب نے اُس کی تحسین کی اور اس کی صحت کی شہادت دی، البتہ صرف چار احادیث پر اختلاف کیا، لیکن تحقیق سے یہ چاروں بھی امام بخاری کی شرط پر صحیح ہیں، متاخرین نے الجامع الصحیح کی جملہ روایات پر صحت کا حکم لگایا ہے، اور اس سے علمِ یقین حاصل ہونے کی صراحت کی ہے۔

شروط بخاری:- امام محمد بن اسمٰعیل بخاری اور آپ کے علاوہ دیگر محدثین سے بھی اپنی مؤلفہ کتب کے بارے میں شروط کی کہیں صراحت نہیں ملتی، بعد میں علامہ حازمی اور علامہ ابو الفضل محمد بن طاہر نے شروط الائمہ پر چند رسالے لکھے ہیں جو اس سلسلہ میں نہایت مفید ہیں، لیکن سوائے چند شروط کے کہ وہ براہ راست ائمہ سے منقول ہیں، باقی استقراء اور تتبع پر مبنی ہیں، یہاں ہم صرف امام بخاری کی الصحیح میں شرائط کا احاطہ کرتے ہیں جو درج ذیل ہیں۔

(۱) تمام ناقلین رواۃ حدیث صحابی تک ثقہ ہوں اور ان کے ثقہ ہونے پر اتفاق ہو اور ان میں شرط عدالت اعلیٰ درجہ کی پائی جاتی ہوں، لیکن حافظ ابن طاہر کی اس بیان کردہ شرط پر بعض محققین نے یہ اعتراض کیا ہے کہ امام نسائیؒ نے صحیح بخاری کے رواۃ کی ایک جماعت پر تنقید کی ہے، علامہ سیوطیؒ اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ امام نسائیؒ چونکہ ان سے متاخر ہیں اس لئے ان کی تنقید معتبر نہیں ہے، پھر شیخ الاسلام سے نقل کرتے ہیں کہ امام نسائیؒ نے اگر اپنے اجتہاد سے تنقید کی ہے تو درست ہے، اور اگر متقدمین سے نقل کرتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری نے جو ان رواۃ سے حدیث لی ہے تو وہ سبب مرجح کے اعتبار سے ہے، لیکن ہمیں اس جواب میں بھی تردد ہے۔ کیونکہ الجامع الصحیح میں بعض ایسے راوی بھی نظر آتے ہیں، جنہیں متقدمین نے ضعیف کہا ہے، لیکن امام صاحب کسی سبب مرجح کے نہ ہوتے ہوئے بھی ان سے روایت لے رہے ہیں، مثلاً فلیح بن سلیمان المدنی ان سے امام صاحب نے کتاب العلم . . . . . وھو مشتغل فی حدیثہ الخ میں احتجاج کیا ہے اور اس کا کوئی متابع وغیرہ بھی ذکر نہیں کیا اور متقدمین میں سے ابن المدینی، ابن معین وغیرہ نے انہیں ضعیف کہا ہے اور ناقابل

احتجاج قرار دیا ہے تو ان امور کے پیش نظر اس کا صحیح جواب یوں معلوم ہوتا ہے کہ اگر متقدمین نے کسی راوی پر جرح کی ہو تو پھر اصول جرح کو پیش نظر رکھتے ہوئے دیکھا جائیگا کہ یہ جرح کس قسم کی ہے، مفصل ہے یا نہیں۔ کہیں اس پر معاصرت کا رنگ تو غالب نہیں مثلاً اسی فلیح پر اگرچہ متقدمین نے جرح کی ہے تاہم وہ مفصل نہیں، اس بنا پر امام صاحب نے اس غیر معتبر جرح کی کوئی پرواہ نہیں کی اور اس سے احتجاج کیا ہے، جو اصول کے عین مطابق ہے خطیب لکھتے ہیں:-

ما احتج البخاری ومسلم به من جماعة علم الطعن فیهم من غیرهم محمول علی انه لم یثبت الطعن المؤثر مفسر السبب۔ (التوضیح ص ۱۹۰)

(۲) امام بخاری طبقات رواۃ کا بھی لحاظ رکھتے ہیں، طبقات سے ہماری مراد یہ ہے کہ راوی نے اپنے شیخ کے پاس زیادہ سے زیادہ وقت گزارا ہو۔ اور حفظ و اتقان میں بھی اپنے باقی ساتھیوں سے فائق ہو، آپ ایسے راوی کو طبقہ اولیٰ میں شمار کرتے ہیں اور دوسرا طبقہ یہ ہے کہ راوی ثبت و ثقاہت میں بلند مرتبہ رکھتا ہو، لیکن اسے طول صحبت اور وہ حفظ و اتقان میسر نہ ہو جو طبقہ اولیٰ کو ہوا ہو، شیخ الاسلام اس کی مثال یوں بیان فرماتے ہیں:-

مثلاً امام زہری کے متعدد شاگرد ہیں، ان میں مراتب کے اعتبار سے تفاوت ہے، اور ان کے پانچ درجے بنائے گئے ہیں:-

پہلے طبقہ میں یونس بن یزید، عقیل بن خالد، مالک بن انس، ابن عیینہ اور شعیب۔ دوسرے طبقہ میں امام اوزاعی، لیث، عبد الرحمٰن بن خالد اور ابن ابی ذئب۔ تیسرے طبقہ میں جعفر بن مروان، سفیان بن حسین، اور اسحاق بن یحییٰ الکلبی۔ چوتھے طبقہ میں ربیعہ بن صالح، معاویہ بن یحییٰ اور ابن الصباح۔ پانچویں طبقہ میں عبد القدوس بن حبیب، حکیم بن عبد اللہ الایلی، محمد بن سعید المصلوب شامل ہیں۔

ان طبقات کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ امام بخاری نے پہلے طبقہ سے اپنی صحیح میں احتجاج کیا ہے، البتہ شاذ و نادر طبقہ ثانیہ سے بھی مرویات آگئی ہیں۔ لیکن اس وقت جب ان کی صحت کا پورا یقین ہو اور تعلیقات میں طبقہ ثانیہ اور ثالثہ دونوں سے روایات لی ہیں اور اکثر طبقہ ثانیہ سے ہیں۔

(۳) اگر سند معنعن ہو تو اس میں معنعن راوی کے مروی عنہ سے لقاء کی شرط لگاتے ہیں

(۴) سلسلہ سند منقطع نہ ہو اور مدلس و مختلط راوی بھی نہ ہو۔

(۵) امام حاکم نے یہ شرط بھی ذکر کی ہے کہ حدیث ایسے صحابی سے منقول ہو جو مجہول العین نہ ہو، اور ان کے بعد سلسلہ سند دو دو راویوں پر مشتمل ہو لیکن علامہ حازمی نے ان پر تعاقب کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اسے الجامع الصحیح کی شرط قرار دینا درست نہیں ہے، کیونکہ اس میں بعض ایسی احادیث بھی ہیں جو غریب کے قبیل سے ہیں مثلاً انما الاعمال بالنیات یا کلمتان حبیبتان الخ ہیں۔

علامہ سیوطیؒ اس کا یوں جواب دیتے ہیں کہ علامہ حازمی دراصل بات نہیں سمجھے، حالانکہ امام حاکم کی مراد یہ ہے کہ راویوں سے ان کے دو شاگرد روایت کرنے والے ہوں عام اس سے کہ اس روایت میں وہ اکیلا ہو۔ یعنی ان کی شرط مطلق جہالت عین سے مبرا ہونے کی ہے یہ نہیں کہ روایت میں بھی دو دو راویوں سے روایت کریں، صحیح بخاری "باب من قال فی الخطبۃ بعد الثناء اما بعد" کے تحت عمرو بن تغلب کی روایت منقول ہے۔ اس میں عمرو سے بیان کرنے والے فقط حسن بصری ہیں۔

جیسا کہ حافظ عبدالغنی نے کہا ہے، علامہ عینی رح امام حاکم کی مذکورہ شرط نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:-

فان قلت: هذا الحديث لما يروه عن عمرو الا راو واحد قلت قد ذكرت لك ان الحكم بن الاعرج روى عنه ايضاً الخ (عمدۃ القاری)

لیکن یاد رہے کہ امام حاکم نے یہ شرط بھی ذکر کی ہے کہ "يتداوله اهل الحديث بالقبول الى وقتنا كالشهادة على الشهادة" بعض محققین نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے۔

" ان اراد به تشبيه الرواية بالشهادة من كل وجه فتقوى اعتراض الحازمي وان اراد به تشبيهها بالاتصال والمشافهة فقد ينتقض عليه بالاجازة۔ "

علامہ سیوطی نے امام حاکم کے قول کی جو تاویل کی ہے، اس کی تائید امام بیہقی کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے بہز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ کی روایت کے تحت ذکر کیا ہے۔

" فاما البخاري ومسلم فانهما لم يخرجاه جريا على عادتهما في ان الصحابي

او التابعي اذا لم يكن له الا راو واحد لم يخرج حديثه في الصحيحين - السنن الكبرى كتاب الزكوة -

یعنی جب وہ مستور ہوگا تو شیخین اس سے روایت نہیں لیں گے یہ نہیں کہ الصحیح میں ہر روایت دو دو راویوں سے مروی ہوگی، لیکن امام بیہقی کا اس میں صحابہ کو شمار کرنا درست معلوم نہیں ہوتا، کیونکہ صحیح بخاری میں بعض ایسی روایات پائی جاتی ہیں جن کے روایت کرنے میں صحابی منفرد ہوتا ہے۔ اگر امام بیہقی یہ شرط تابعین یا تبع تابعین پر چسپاں کرتے تو بہتر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجر رح لکھتے ہیں :-

" والشرط الذی ذکرہ الحاکم وان کان منتقضا فی بعض الصحابة الذین اخرج لهم فانه معتبر فی حق من بعدهم فلیس فی الکتاب حدیث اصل من روایة من لیس له الا راو واحد قطع(ہدی الساری)

بایں وجہ امام بیہقی کا صحابہ کو بھی اس شرط میں ذکر کرنا صحیح معلوم نہیں ہوتا، پھر حافظ نے جس یقین سے یہ دعویٰ کیا ہے اگر وہ صحیح ہے تو صحیح بخاری کی برتری کے لئے یقیناً بہت بڑی دلیل ہے، کیونکہ صحابہ بالاتفاق عادل ہیں، عدالت کی ضرورت تو بعد والی کڑیوں میں ہے۔

(۶) حافظ ابوالفضل المیانجی نے اپنی کتاب "مالایسع المحدث جهله" میں یہ شرط بھی ذکر کی ہے کہ وہ روایت شیخین کے نزدیک صحیح ہو اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرنے والے دو صحابی ہوں، پھر ہر ایک سے چار چار تابعی بیان کرنے والے ہوں اور پھر ہر تابعی سے چار یا چار سے زائد راوی ہوں یہ شرط ظاہر کے خلاف ہے۔

(۷) بجائے اس کے کہ امام بخاری سے منقولہ یا استقرائی شرائط ذکر کی جائیں، آپ کی کتاب کے مسمّیٰ ہی سے آپ کی بعض شرائط مترشح ہوتی ہیں۔

(۱) الجامع الصحیح میں علوم حدیث کی جملہ قسم کی مرویات مندرج ہونگی۔

(۲) اور جملہ مرویات صحیح ہوں گی۔

(۳) المسند سے پتہ چلتا ہے کہ جامع کی جملہ روایات متصل الاسانید ہوں گی، رہی معلقات تو وہ ان کے اصول سے خارج ہیں۔ جنہیں ترجمة الباب میں تائیداً ذکر کیا گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ مسند روایات پر ہی محققین نے صحت کا حکم لگایا ہے واللہ اعلم۔

صحیح بخاری اور اس کے ناقدین :-

رئیس المحدثین وسید الفقہاء امام بخاری کی تالیف لطیف الجامع الصحیح کو محدثین نے اصح الکتب بعد کتاب اللہ کے امتیاز سے نوازا ہے اس کی صحت کے لئے امام ابن معین، ابن المدینی، اور دیگر کبار محدثین کی شہادت ہی کافی ہے۔ تاہم آزادی فکر جو اسلام میں ایک بہت بڑی نعمت ہے، کے سبب بعض محدثین نے الصحیح کو پرکھتے ہوئے چند احادیث پر تنقید بھی کی ہے، سب سے پہلے اس میدان کے شہسوار ابوالحسن امام دارقطنی ہیں، آپ نے صحیحین کی چند ایک احادیث پر تنقید کی اور انہیں ایک رسالہ کی شکل دی، اور اس کا نام "الاستدراک والتتبع" رکھا۔

حافظ محی الدین النووی رح کی تصریح کے مطابق حافظ ابومسعود الدمشقی نے بھی اس پر استدراک لکھا ہے۔ ان کے بعد ابو علی الغسانی الجیانی نے بھی "التقیید المھمل" میں اس کی بعض احادیث پر استدراک کیا ہے اور اس میں الصحیح کے رجال پر بحث کی ہے، علامہ نووی فرماتے ہیں کہ کسی حد تک ان اعتراضات کا جواب دیا جا چکا ہے جو جمیع اہل اصول سے مختلف ہونے کے سبب ہیں۔ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر نے ان جملہ اعتراضات کے جوابات کو فتح الباری کے مقدمہ "ھدی الساری" میں یکجا لکھ دیا ہے، اسی طرح علامہ عینی نے بھی ان عبارات پر خوب بحث کی ہے، اور مدلل جوابات ذکر کئے ہیں، اس کے بعد متاخرین اہل الرائے نے جو الصحیح پر عامیانہ اعتراضات کئے ہیں، ان کے جوابات علامہ عبدالسلام مبارکپوری نے "سیرۃ البخاری" میں خوب دیئے ہیں، جن میں سے بعض "حسن البیان" سے منقول ہیں، اور بوجہ طوالت ان کا ذکر مناسب نہیں ہے۔

حکم التعلیقات :-

اصول حدیث میں معلق اس روایت کو کہتے ہیں جس کی سند کا ابتدائی حصہ محذوف ہو۔ عام اس سے کہ وہ روایت مرفوع ہو یا موقوف یا اس میں آخر سے یا وسط سے ایک دو راوی حذف ہوں، صیغہ جزم سے ہوں یا صیغہ تمریض سے، علمائے فن نے معلق روایات کو مردود کے قبیل سے گردانا ہے، لیکن تعلیقات بخاری کا وہ مقام نہیں ہے، بلکہ علماء نے اس کی جملہ تعلیقات کو دو اقسام پر محمول کیا ہے

(۱) ایک وہ معلق روایت جس کو امام صاحب نے دوسری جگہ موصول ذکر کیا ہے وہ

بالاتفاق مقبول ہوگی۔

(۲) دوسری وہ تعلیقات جنہیں امام صاحب نے متصل ذکر نہیں کیا، ان کی پھر دو قسمیں ہیں۔ (۱) وہ جو صیغہ جزم کے ساتھ مروی ہیں۔ (۲) وہ جو صیغہ تمریض کے ساتھ ہوں جو روایات صیغہ جزم کے ساتھ ہیں، ان کا حکم تو صحیح حدیث کا ہی ہوگا۔ جیساکہ ابھی ذکر ہوگا اور جو صیغہ تمریض کے ساتھ ہیں تو اس میں ان کی رائے یہ ہے۔

"لیس فیه حکم بصحته" (التقریب)

لیکن یہ قاعدہ اکثری ہے، کیونکہ امام صاحب اسے بسا اوقات ذکر تو صیغہ تمریض کے ساتھ کرتے ہیں، لیکن حقیقتاً وہ روایت صحیح ہوتی ہے، چنانچہ حافظ ابن الصلاح فرماتے ہیں:۔

"لان مثل هذا العبارات تستعمل فی الحدیث الضعیف ایضا"

ایضاً کا لفظ استعمال کرکے انہوں نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ کبھی صیغہ تمریض کا استعمال واطلاق صحیح حدیث پر بھی ہوتا ہے، اور صیغہ تمریض کے استعمال سے یا تو اختصار کو ملحوظ رکھنا مقصود ہوتا ہے یا روایت بالمعنی جیساکہ آگے آئیگا۔ انشاءاللہ۔

اہل فن نے تعلیق التمریض کو پانچ انواع پر تقسیم کیا ہے (۱) صحیح علی شرطہ (۲) صحیح علی غیر شرطہ (۳) ضعیف غیر منجبر (۴) ضعیف منجبر (۵) حسن، اگرچہ ان میں سے ہر ایک کی متعدد امثلہ ہیں، لیکن اختصار کے پیش نظر ہم ہر ایک کی ایک مثال ہی پر اکتفاء کرتے ہیں۔

(۱) صحیح علی شرطہ کی مثال، کتاب الطب میں باب الرقی بالقرآن کے تحت فرماتے ہیں

"ویذکر عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم"

امام صاحب نے یہاں اسے صیغہ تمریض کے ساتھ ذکر کیا ہے لیکن اس کے معاً بعد "باب الرقی بالفاتحه" میں اس روایت کو متصل ذکر فرمایا ہے۔

(۲) صحیح علی غیر شرطہ کی مثال کتاب الصلاۃ میں ہے۔

"ویذکر عن عبد اللہ بن السائب قال قرء النبی صلی اللہ علیہ وسلم المؤمنون فی صلاۃ الصبح حتی اذا جاء ذکر موسی وھارون علیھما الصلوٰۃ والسلام او ذکر عیسی علیہ السلام اخذته سعلة فرکع الخ

ظاہر ہے کہ روایت صیغہ تمریض سے مروی ہے حالانکہ امام مسلم نے اسے اپنی صحیح میں "عباد بن جعفر بن ابی سلمہ بن سفیان و عبداللہ بن عمرو القاری و عبداللہ بن المسیب عن عبداللہ بن السائب" کے طریق سے ذکر کیا ہے، اس میں چونکہ بعض راوی امام صاحب کی شرط پر نہ تھے، اس لئے آپ نے اسے صیغہ تمریض کے ساتھ نقل فرمایا ہے۔

(۳) ضعیف غیر منجبر کی مثال "کتاب الصلوٰۃ" میں ہے۔

"ویذکر عن ابی ھریرۃ رض لا یتطوع الامام فی مکانہ" یہ روایت امام ابوداؤد نے سنن میں بواسطہ لیث بن ابی سلیم عن الحجاج عن عبید عن ابراھیم عن اسمٰعیل عن ابی ھریرۃ رض بیان فرمائی ہے۔

لیث متکلم فیہ ہے، ابراہیم منفرد ہونے کے ساتھ مجہول بھی ہے اور پھر ان کی متابعت بھی منقول نہیں ہے تاکہ اس کا جبر ہو سکے۔

(۴) ضعیف منجبر کی مثال "کتاب الوصایا" میں ہے۔

"ویذکر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قضی بالدین قبل الوصیۃ" امام ترمذی نے (ص ۹۱/۲ مع التحفہ) اسے بطریق الحارث الاعور عن علی ذکر کیا ہے۔
الحارث اگرچہ سخت ضعیف ہیں تاہم اجماع امت کے سبب اس کا جبران ہو جاتا ہے۔

" امام ترمذی اس روایت کے بعد فرماتے ہیں :۔
والعمل علی هذا عند عامة اهل العلم " اسی طرح شیخ الاسلام حافظ ابن حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں "لم یختلف العلماء فی الدین یقدم علی الوصیۃ"

(۵) حسن کی مثال "کتاب البیوع" میں ہے" ویذکر عن عثمان بن عفان رض ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لہ اذا بعت فکل واذا ابتعت فاکتل"

یہ روایت مسند احمد، بزار اور ابن ماجہ میں بواسطہ ابن لہیعہ مذکور ہے۔ جو کہ ضعیف ہیں، لیکن ان کی متابعت سنن دارقطنی ص ۲۹۲ میں یحیی بن ایوب المصری عن عبداللہ بن المغیرہ عن منقذ مولی ابن سراقہ کے واسطے سے مذکور ہے۔ منقذ اگرچہ مستور الحال ہے لیکن اس کی متابعت بھی عطا عن عثمان الخ کے واسطے سے مصنف ابن ابی شیبہ میں مذکور ہے جس کی وجہ سے یہ روایت درجہ حسن تک پہنچ جاتی ہے۔

تنبیہ :۔ علامہ نووی التقریب میں فرماتے ہیں۔ کہ صیغہ تمریض سے جو تعلیقات مذکور ہیں

انہیں اگرچہ صحیح نہیں کہا جاسکتا تاہم انہیں ساقط الاعتبار بھی قرار نہیں دیا جاسکتا، اور یہی قول حافظ ابن الصلاح کا ہے، فرماتے ہیں:۔

" ومع ذالك فايراده فی اثناء الصحيح بصحة اصله اشعارًا يونس به ويركن اليه والله اعلم۔

لیکن حافظ ابن الصلاح اور علامہ نووی کے اس بیان سے ہم اتفاق نہیں کر سکتے، ضعیف غیر منجبر کو بہرحال اس سے مستثنیٰ قرار دیا جائے گا، خصوصاً جب کہ امام بخاری رح خود اس کے ضعف کی طرف اشارہ فرما رہے ہوں مثلاً "کتاب الہبۃ" میں ہے:۔

" ويذكر عن ابن عباس ان جلساءه شركاءه ولم يصح" الصحیح ص۳۵۵

لہذا جب امام صاحب نے خود ہی اس کے ضعف کی طرف اشارہ فرما دیا ہے۔ تو پھر بھی یہ کہنا کہ " ايراده له فی اثناء الصحيح مشعر بصحته "

چہ معنی دارد۔ ابن جوزی نے ابن عباسؓ کی اس روایت کو موضوعات میں داخل کیا ہے تو علامہ سیوطی نے اس پر تعاقب کرتے ہوئے کہا کہ اس کی متابعت حسن بن علی سے ثابت ہے، لیکن اس متابعت کا وزن تب ہوتا جب کہ یہ صحیح ہوتی۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری ص۱۶۱ ج۵ میں اسے ضعیف کہا ہے، پھر ابن جوزی منفرد نہیں، امام حاکم نے بھی اس کے رفع کو منکر کہا ہے، اور مصنف عبدالرزاق میں محمد بن مسلم الطائفی کے واسطہ سے موقوف ہی مذکور ہے۔ حافظ ابن حجر رح فرماتے ہیں:۔

"هو اصح الروايتين عنه" لہذا اس روایت کا مرفوع ہونا درست نہیں، اسی وجہ سے امام صاحب نے لایصح سے اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور علامہ سیوطی کے تعاقب میں نظر ہے، جس طرح تعلیق ممرض کو اہل فن نے پانچ انواع میں تقسیم کیا ہے، اسی طرح تعلیم جازم کو بھی چند انواع میں تقسیم کیا ہے:۔

(۱) صحیح علی شرطہ۔ (۲) صحیح علی شرط غیرہ (۳) حسن لغیرہ۔

(۱) صحیح علی شرطہ سے مراد ایسی تعلیق ہے جو امام صاحب کی شرط پر ہو، لیکن الصحیح میں دوسری جگہ موصولاً بھی مذکور ہو۔ مثلاً کتاب الصلوٰۃ ص۱۴۹ میں باب الجمع فی السفر بین المغرب والعشاء کے تحت فرماتے ہیں:۔

" وقال ابراهيم بن طهمان عن الحسين المعلم عن يحيى بن

ابی کثیر عن عکرمہ عن ابن عباسؓ قال کان رسول اللہؐ

یہ روایت اگرچہ یہاں معلق ہے لیکن امام بیہقی نے اپنی سنن میں بواسطہ احمد بن حفص عن ابیہ عن ابراہیم الخ اسے متصل ذکر کیا ہے، احمد بن حفص رجال صحیح سے ہیں، بنا بریں یہ روایت اُن کی شرط پر محمول ہوگی۔

(۲) صحیح علی شرط غیرہ۔ اس کی مثال ابواب الغسل کے اٹھارھویں باب میں ہے:۔

"قال بھز عن ابیہ عن جدہ اللہ احق ان یستحیی منہ من الناس"

یہ روایت سنن اربعہ میں منقول ہے بھز عن ابیہ عن جدہ کی سند اگرچہ مختلف فیہ ہے۔ تاہم جمہور ائمہ نقادین سے بعض نے اسے صحیح کہا ہے، اور بعض نے ضعیف بھی۔

(۳) حسن کی مثال کتاب الطہارت میں ہے" قالت عائشۃ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یذکر علی کل احیانہ" اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں خالد بن مسلمہ عن عبداللہ البھی عن عروۃ عن عائشۃ کے واسطہ سے ذکر کیا ہے۔ اور امام ترمذی نے اپنی جامع میں اسے غریب کہا ہے، خالد بن مسلمہ اس میں منفرد ہیں، اور وہ امام بخاری کی شرط کے مطابق بھی نہیں۔

(۴) تعلیق جازم کی ایک نوع یہ بھی ہے کہ وہ من حیث الاسناد تو صحیح ہو، لیکن انقطاع وغیرہ کے سبب درجہ صحت سے ساقط ہو جائے مثلاً کتاب الزکوٰۃ میں ہے ص ۱۹۴/۱ج

قال طاؤس قال معاذ لاھل الیمن ایتونی بعوض ثیاب خمیس اولبیس فی الصدقۃ۔

یہ روایت کتاب الخراج یحیی بن آدم میں بسند صحیح مذکور ہے، لیکن طاؤس کا حضرت معاذؓ سے سماع ثابت نہیں، جیسا کہ امام ابو حاتم اور ابن المدینی نے صراحت کی ہے (کتاب المراسیل ص ۳۶ لابن ابی حاتم) جس کی وجہ سے یہ روایت صحیح نہیں ہے، لیکن یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے تو اسے امام بخاری نے صیغہ جزم کے ساتھ کیوں بیان کیا ہے اس کا جواب اسماعیلی نے یہ دیا ہے کہ قد یصنع البخاری ذالک لانہ سمعہ ممن لیس من شرط الکتاب فنبہ علی ذالک الحدیث بتسمیہ من حدثہ لا علی التحدیث بہ عنہ (التدریب)

فائدہ: شیخ الاسلام حافظ ابن حجر نے تعلیقات پر مگر مستقل کتاب لکھی ہے، جس

کا نام "التوفیق" ہے۔ اس میں ان احادیث کو ذکر کیا ہے، جنہیں امام صاحب نے موصولاً ذکر نہیں کیا جن کی تعداد (۱۶۰) ہے۔ اور ایک کتاب تعلیق التعلیق کے نام سے مرتب کی ہے، جو جمیع تعلیقات کی جامع اور قابل قدر کتاب ہے، اس میں متابعات اور موقوف روایات کو بھی ذکر کیا گیا ہے، علامہ قسطلانی مقدمہ میں لکھتے ہیں :۔

"وهو كتاب حافل عظيم في بابه لم يسبقه اليه احد فيما اعلم"

پھر ان کی اسناد کو حذف کر کے صرف متن پر اکتفاء کرتے ہیں، اور ایک مختصر مجموعہ مرتب کیا جس کا نام "التوشيق الى وصل المهم من التعليق" رکھا۔ (التدریب)

اس طرح مقدمہ فتح الباری میں ان روایات کو حروف تہجی کے مطابق جمع کیا۔ جن سے امام بخاری نے معلق روایات لی ہیں۔

عود الی المقصود :۔ جیسا کہ ہم ذکر کر آئے ہیں کہ حافظ ابن الصلاح اور علامہ نووی نے "الجامع الصحیح" کی جملہ تعلیقات کو صحیح کہا ہے تو ان کا یہ کہنا صحیح نہیں۔ جمہور اہل فن کی رائے اس کے خلاف ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں :۔

"واذا قال الراوي المعلق مثلاً جميع من احذفه ثقات لا يقبل حتى يسمى"

تو جب جمہور نے معلق کی اس صراحت کو قبول نہیں کیا تو ملتزم بالصحت کی بات بالاولی قبول نہیں ہونی چاہیئے زیادہ سے زیادہ یہ کہا جائے گا کہ مصنف کے نزدیک وہ صحیح ہوگی، لیکن جمہور کا یہ قاعدہ ان معلق روایات کے متعلق ہے، جو صحیحین کے علاوہ ہیں، کیونکہ جب انہوں نے اسے صیغہ جزم کے ساتھ بیان کیا ہے، تو وہ ان کتابوں کے تلقی بالقبول ہونے کے سبب صحیح کہلائیں گی۔

انہیں بھی تلقی بالقبول ہونے کی وجہ سے صحت کا درجہ دیا جائے گا، البتہ وہ تعلیقات جو صیغہ تمریض کے ساتھ ہوں اور دیگر کتب حدیث میں مل جاتی ہوں تو ان کے بارے حافظ شرح نخبہ میں رقمطراز ہیں :۔

"وقد يحكم بالصحة ان عرف المحذوف بالعدالة والضبط بان يجئ مسمى من وجه آخر ۔"

اس کے برعکس حافظ ابن حزم مطلقاً تعلیقات کو درست قرار نہیں دیتے۔ بلکہ فرماتے ہیں:۔

"ولا یقبل شیئا من تعلیقات الصحیح (تراجمہ)"

حافظ ابن حزم کا یہ قول اگرچہ اصول کے مطابق ہے، لیکن تعلیقات کی جملہ انواع پر یہ حکم لگانا درست نہیں ہے، خصوصاً ایسی تعلیقات جو امام صاحب کی شرط پر ہیں یا جنہیں مؤلف نے خود ہی دوسری جگہ پر موصولاً ذکر کر دیا ہے، زیادہ سے زیادہ ان کے اس قول کو تتبع پر محمول کر سکتے ہیں، لیکن بالصحت ثابت ہو جائے، تو اس کے قبول کرنے سے کوئی علت مانع نہ ہوگی، بعینہ یہی حکم آثار کے متعلق ہوگا کہ اگر وہ بالجزم مذکور ہوں تو انہیں صحیح کہا جائے گا ورنہ ضعیف، واللہ اعلم۔

فنی حیثیت:۔ صحیح بخاری اپنی جملہ خوبیوں کے ساتھ ممتاز ہے، جن میں ایک خوبی اس کا فنی حیثیت سے مزین و آراستہ ہونا ہے، اصول، فقہ و حدیث پر سب سے پہلے امام شافعی رح نے "الرسالہ" کے نام سے ایک کتاب مرتب فرمائی تھی، امام بخاری نے اپنی الجامع الصحیح میں احادیث سے انہی اصول کو مستحکم کیا ہے، جیسا کہ ہم ذیل میں امثلہ سے نشاندہی کرتے ہیں۔

(۱) محدثین خصوصاً اہل کوفہ میں یہ اختلاف رہا ہے کہ کیا نابالغ کا سماع معتبر ہے؟ ان کا خیال ہے کہ جب تک بچہ بالغ نہ ہو اسے مکتب نہیں بھیجنا چاہیئے، امام بخاری اس نزاع کو "باب متی یصلح سماع الصغیر" سے حل فرماتے ہیں، کہ حضرت محمود بن الربیع رض اور حضرت ابن عباس نے اپنی صغر سنی میں دیگر صحابہ سے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے، معلوم ہوا کہ بالغ ہونے کی قید درست نہیں ہے اس کے ساتھ ہی "باب الفہم فی العلم" ذکر کرتے ہوئے گویا اسی طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ صغر سنی میں فہم بھی شرط ہے اگر فہم نہیں تو سماع کا اعتبار نہیں ہوگا۔

(۲) محدثین خصوصاً متاخرین روایت بیان کرنے میں لفظ حدثنا و اخبرنا وغیرہ صیغ استعمال کرتے ہیں اور تمیز کرتے ہیں کہ شیخ سے اگر راوی اکیلا سنے تو حدثنی کہے، اور اگر شاگرد متعدد ہوں تو اخبرنا کہے، لیکن امام بخاری فرماتے ہیں کہ یہ تفریق سلف میں رائج نہیں تھی، چنانچہ الصحیح میں باب قول المحدث حدثنا و اخبرنا و انبانا میں اپنے اس مدعیٰ کو پہلے تو صحابہ

اور تابعین و تبع تابعین سے ثابت کرتے ہیں، پھر حضرت ابن عباسؓ سے مرفوع روایت لائے ہیں :-

" قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان من الشجر شجرۃ لا یسقط ورقھا وانھا لمثل المسلم - اس روایت کو امام بخاری کتاب التفسیر میں بلفظ اخبرونی اور باب الحیاء فی العلم میں حدثونی ماھی وقالوا اخبرنا بھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لائے ہیں - اور اسمٰعیل نے اسی روایت کو انبؤنی کے الفاظ سے بیان کیا ہے، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے مابین بھی حدثنا، اخبرنا، انبأنا کے درمیان کوئی فرق نہیں تھا -

(۳) محدثین اور فقہاء اہل الرائے میں یہ اختلاف رہا ہے کہ کیا قیاس جلی سے خبر واحد کو رد کیا جا سکتا ہے یا نہیں، اہل الرائے اس کے جواز کے قائل ہیں، بلکہ وہ تو خبر واحد سے قرآن مجید میں مطلق آیت کی تقیید کو زیادۃ علی القرآن سے تعبیر کرتے ہیں، برعکس محدثین کے کہ وہ خبر واحد کو حجت مانتے ہیں - اور اس کے مقابلہ میں قیاس جلی یا خفی کو مردود قرار دیتے ہیں، اور اس سے قرآن کی مطلق کی تقیید کے بھی قائل ہیں، چنانچہ امام صاحب نے اپنی صحیح میں متعدد ابواب باندھ کر اس نزاع کو دور کیا ہے، اور محدثین کی تائید کی ہے :-

مثلاً باب بعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم الزبیر، باب لا تدخلوا بیوت النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا ان یؤذن لکم، باب اذا اذن لہ جاز، باب ماکان یبعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الامراء وارسل واحدا بعد واحد" باب الخبرۃ المرءۃ الواحدۃ اسی طرح ماجاء فی اجازۃ خبر الواحد الصدوق فی الاذان والصلوٰۃ والصوم والفرائض والاحکام" میں خبر واحد کی قبولیت پر کثرت سے واقعات و استشہاد پیش کئے ہیں -

غرض اس قسم کے متعدد مسائل ہیں جو اصول کی حیثیت رکھتے ہیں، اصول حدیث کی کتب میں صحیح بخاری پر کافی مواد جمع کیا جا سکتا ہے -

فقہ البخاری :- امام بخاری اگرچہ ائمہ اربعہ کے بعد اس جہان کی زینت بنے ہیں، لیکن مسائل کے استنباط کے اعتبار سے ان سے پیچھے نہیں

رہے۔ اور امام موصوف کی اس قابلیت کا اعتراف تو آپ کے اساتذہ کو بھی تھا کہ آپ فقہ و اجتہاد میں بہت بالا ہیں، آپ کے استاد محمد بن بشار رح فرماتے ہیں۔

"ھو افقہ اھل زماننا"

اور انہی کا قول حافظ ابن حجر رح نے "التہذیب" میں یوں نقل کیا ہے کہ جب امام بخاری بصرہ تشریف لائے تو محمد بن بشار نے فرمایا:۔

"دخل الیوم سید الفقھاء" "تھذیب الاسماء" "ھدی الساری"

امام اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں :۔

"ھو الامام الفقیہ المحدث"

شیخ الاسلام ہدی الساری میں امام دارمی سے نقل کرتے ہیں :۔

"انی رأیت العلماء بالحرمین والحجاز والشام والعراق فما رأیت فیھم اجمع من محمد ابن اسماعیل ھو اعلمنا وافقھنا واکثرنا طلباً۔"

بعینہ اسی طرح حافظ سلیم بن مجاہد رح فرماتے ہیں :۔

"ما رأیت بعینی ستین سنۃ افقہ ولا اورع ولا ازھد من محمد بن اسماعیل۔"

ان جملہ اقوال سے قطع نظر اگر آج بھی اس علمی دور میں صحیح بخاری کو بنظر عمیق دیکھا جائے تو اس حقیقت کے اعتراف کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ امام بخاری کی فقہ و اجتہاد ایک معیاری حیثیت رکھتی ہے۔ مثلاً آپ صحیح بخاری ص۱۷۳ باب رثاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم سعد بن خولہ" کے تحت حضرت ابن ابی وقاص رض سے روایت لاتے ہیں :۔

"کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعود نی عام حجۃ الوداع من وجع اشتد بی ۔۔ لکن البائس سعد بن خولۃ یرثی لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان مات بمکۃ۔

ترجمۃ الباب کے تحت حدیث کا مفہوم بالکل واضح ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت سعد کے فوت ہو جانے پر اظہار افسوس فرمایا، امام بخاری رح نے اس ایک حدیث سے نو مسائل کا استنباط کیا ہے دیکھئے ص۱۳۰ و ص۳۸۲ و ص۳۸۴، ص۸۰۵، ص۸۴۵، ص۸۴۶، ص۹۴۳،

ص۹۹۷ صحیح بخاری [illegible]

کے واسطہ سے یوں نقل کی ہے :-

" ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خرج ومعہ بلال فظن انہ لم یسمع النساء فوعظھن وامرھن بالصدقۃ فجعل المرأۃ تلقی القرط والخاتم وبلال رض یاخذ فی طرف ثوبہ "

اس روایت سے امام صاحب نے کم وبیش چودہ مقامات پر علیحدہ علیحدہ مسائل کا استنباط کیا ہے، ملاحظہ ہوں :- باب وضوء الصبیان، ومتی یجب علیہم الغسل والطھور وحضورھم الجماعۃ والعیدین والجنائز ص۱۱۶، باب الخطبۃ بعد العید ص۱۳۱ وباب العلم بالمصلی ص۱۳۴ وباب موعظۃ الامام النساء یوم العید ۱۳۳ وباب الصلوٰۃ قبل العید وبعدھا ص۱۳۵ وباب التحریض علی الصدقۃ والشفاعۃ فیھا ص۱۹۴ وباب العرض فی الزکوٰۃ ص۱۹۵ وباب الذین لم یبلغوا الحلم ص۸۹ وباب الخاتم للنساء ص۱۲۳ وباب القلائد والسخاب للنساء ص۸۷۵ وباب القرط للنساء ص۸۷۴ وباب ص۱۰۷۹ باب خروج الصبیان الی المصلی ص۱۳۳ -

اسی طرح الجامع الصحیح میں تمام ابواب استنباط مسائل کی منہ بولتی دلیل ہیں، جیسا کہ علماء کا مشہور مقولہ ہے " فقہ البخاری فی تراجمہ " اس کے پیش نظر علامہ نووی رح فرماتے ہیں :- ان البخاری کانت لہ الغایت المرھیۃ المتمکن فی انواع علوم الحدیث واستنباط اللطائف فلایکاد احد یقاربہ فیھا وقد شھد لہ اعلام المحدثین من شیوخہ وغیرھم واذا نظرت فی کتابہ جزمت بذالک لاشک لیس مقصودہ الانتصار علی الحدیث فیکثر المتون بل مرادہ الاستنباط منھا -"

(البخاری محدثا وفقیہا ص۱)

فقہ اہل حدیث اور فقہ اہل الرائے میں بنیادی فرق ہی یہ ہے کہ فقہاء محدثین قرآن حکیم اور احادیث رسول کے پیش نظر مسائل کا استنباط کرتے ہیں اور فقہاء اہل الرائے زیادہ تر اپنے مشائخ کے اقوال کو سامنے رکھ کر استنباط کرتے ہیں، جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ میں اس موضوع پر مفصل لکھا ہے :-

خدا غارت کرے مذہبی تعصب کو جس کے ہاتھوں امام بخاری کی فقاہت کو کوسا

گیا اور اس قسم کے الزام دیئے گئے جو محض تعصب کا شاخسانہ ہیں۔ مثلاً کسی نے یہ کہا کہ امام بخاری کے نزدیک اگر دو بچے ایک بکری کا دودھ پی لیں تو رضاعت ثابت ہو جاتی ہے، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کیا کسی مؤرخ یا تذکرہ نویسوں میں سے کسی نے اس کی طرف اشارہ تک بھی کیا ہے؟ تو اس کا جواب ہمیں نفی میں ملتا ہے تو لازماً یہ کرم فرمائی ان ہی بزرگوں کی ہوگی خصوصاً جبکہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے امام شافعی کے متعلق طرح طرح کی جھوٹی روایتیں گھڑ کر انہیں بدنام کرنا چاہا، لہٰذا جب اس گھر کی حالت ہی یہ ہے تو پھر یہ بات کیونکر قبول کی جا سکتی ہے؟ اور جب مزید اس پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے اہل الرائے میں سے صاحب العنایہ نے اس قصہ کا تذکرہ کیا ہے اور یہ وہی بزرگ ہیں جن کے متعلق ملا علی قاری رح اور علامہ عبدالحی لکھنوی رح نے جابجا صراحت کی ہے کہ ان کی نقل کردہ احادیث قطعاً معتبر نہیں، چنانچہ اس واقعہ کی نسبت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ" قولہ مردود علی صاحبہ

علامہ لکھنوی رح اس حکایت کے بارے میں رقمطراز ہیں:۔

وهي حكاية مشهورة في كتب اصحابنا ذكرها ايضا صاحب العناية وغيره من شراح الهداية لكني استبعد وقوعها بالنسبة الى جلالة قدر البخاري ودقة فهمه وسعة نظره وغاية فكره مما لا يخفى من انتفع بالصحيحه وعلى تقدير صحتها فبشر يخطئ (الفوائد البهية ص ۱۳۱)

ہمیں اس بات سے قطعاً بحث نہیں کہ آیا مجتہد غلطی کر سکتا ہے یا وہ معصوم ہے؟ لیکن وہ کون صاحب اجتہاد ایسے ہیں جن پر اعتراض نہیں ہو سکتا، یا نہیں ہوا۔ لیجئے امام ابوحنیفہ رح کی فقاہت تو مذکور الصدر قول کہنے والے کو بھی مسلم ہے۔ لیکن اس کے باوجود امام صاحب کے تلامذہ نے ضعف استدلال واجتہاد میں غلطی کی بنا پر اپنے استاد سے دو تہائی مسائل میں اختلاف کیا ہے۔ اگر اس سے مقام فقاہت پر حرف آتا ہے تو سب سے پہلے امام ابوحنیفہ رح کو اس مقام سے معزول کر دینا چاہیئے۔ العیاذ باللہ ہمارے سامنے اس وقت مولانا فقیر محمد صاحب جہلمی کی کتاب حدائق حنفیہ ہے، اس میں امام بخاری پر جو ایک حملے کئے گئے ہیں، آیئے ذرا ان کا تجزیہ کریں کہ کس حد تک اخلاص اور صحت پر مبنی ہیں، انہوں نے تو امام بخاری پر عدم فقاہت کا لیبل لگا دیا ہے، ان کا شکوہ یہ ہے کہ صحیح بخاری میں بعض ایسے مقام ہیں جہاں احادیث کی ترجمۃ الباب میں مناسبت نہیں ہے، چند ایک بطور

مثال دیکھئے، صاحب حدائق لکھتے ہیں :-
کہ "باب الماء الذی یغسل بہ شعر الانسان" کے تحت دو حدیثیں لائے ہیں :-
"عن ابن سیرین قال قلت لعبیدۃ عندنا من شعر النبی صلی اللہ علیہ وسلم اصبناہ من قبل انس او من قبل اھل انس فقال لان یکون عندی شعرۃ منہ احب الی من الدنیا وما فیہا"
دوسری روایت کے الفاظ کچھ اس طرح ہیں :-
"ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما حلق رأسہ کان ابو طلحۃ اول من اخذ من شعرہ"
ان دونوں احادیث کی ترجمۃ الباب سے کسی طرح بھی مناسبت نہیں، پھر اس کی تائید تیسیر القاری سے ذکر کی ہے (جو مولانا نور الحق بن مولانا عبد الحق حنفی دہلوی کی تالیف ہے) لیکن معترض نے کچھ جلد بازی سے کام لیا ہے حالانکہ مفہوم بالکل واضح ہے، امام بخاری اس باب میں پہلے حضرت عطاء بن ابی رباح (جو امام ابو حنیفہ کے ممدوح ہیں) کا اثر ذکر کر کے فرماتے ہیں :-
"انہ کان لا یری بہ بأسا ان یتخذ منہا الخیوط والحبال"
امام ابن اسحاق نے اخبار مکہ میں اس اثر کو بسند صحیح موصول ذکر کیا ہے الفاظ یہ ہیں
"انہ کان لا یری بأسا بالانتفاع بشعور الناس التی تحلق (فتح الباری)
اس کے بعد مذکورہ بالا دو[٢] احادیث لائے ہیں، جن سے انسان کا رہے بالوں کا بلا کراہت اپنے پاس رکھنا ثابت ہوتا ہے، امام بخاری کا استدلال یوں ہے کہ اگر انسان کے بال پاک نہ ہوتے تو صحابہ کرام آنحضرتؐ کے بال اپنے پاس محفوظ نہ رکھتے، اور حضرت عطاء بالوں سے انتفاع کو جائز قرار نہ دیتے۔ لہذا جب بال پاک ہیں تو اگر وہ پانی میں گر جائیں تو وہ پانی پلید نہیں ہوگا، کیونکہ پاک چیز کے گر جانے سے پانی پلید نہیں ہوتا، چنانچہ شیخ الاسلام فرماتے ہیں :-
وجہ الدلالۃ منہ علی الترجمۃ ان الشعر طاھر والا لما حفظوہ ولا تمنی عبیدۃ ان یکون عندہ شعرۃ واحدۃ منہ واذا کان طاھرا فالماء الذی یغسل بہ طاھر (فتح ص ٢١٩ ج ١)

اندازہ لگائیے کہ کس قدر صاف بات ہے جسے معترض نہیں سمجھ سکے اور امام بخاری کی فقاہت کو ہدف طعن بنا ڈالا۔" ولنعم ما قیل" ع

"وعین السخط تبدی المساویا"

(۲) مولانا موصوف نے ایک اعتراض یہ کیا ہے کہ " باب فضل صلوٰۃ الفجر فی الجماعۃ " کے تحت امام بخاری رحمہ نے حضرت ابو موسیٰ سے روایت بیان کی ہے :- قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اعظم الناس اجرا فی الصلوٰۃ ابعدھم فابعدھم ممشی والذی ینتظر الصلوٰۃ حتی یصلیھا مع الامام اعظم اجرا من الذی یصلی ثم ینام " الحدیث "

"اس حدیث میں صلوٰۃ الفجر کا ذکر نہیں، بلکہ بظاہر یہ حدیث صلوٰۃ عشاء کی فضیلت کے متعلق ہے" لیکن یہ اعتراض بھی ظاہر بینی اور نارسائی کی غمازی کرتا ہے۔ بات یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ نے اس حدیث سے استدلال بطریق اولویت کے کیا ہے کہ جب ثواب میں زیادتی کا سبب انتظار صلوٰۃ کی وجہ سے نیند کو چھوڑنا ہے، اور جاگنے کی مشقت برداشت کرنا ہے تو صبح کی نماز میں یہ سبب بدرجہ اولیٰ پایا جاتا ہے کیونکہ کچھ دیر کے لئے نیند کو مؤخر کرنا نسبتاً صبح کی نماز کے لئے بیدار ہونے کے زیادہ آسان ہے، چنانچہ علامہ عینی رحمہ اس حدیث کی مطابقت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"ومعلوم ان المشقۃ فی الجماعۃ فی الفجر ازید فیکون اجرھا اوفر" فللہ الحمد۔

ایک اعتراض موصوف کو "باب صلوٰۃ القاعد بالایماء الخ کے تحت کرنا پڑا کہ سید الفقہاء حضرت عمران کی حدیث " من صلی قاعدا فلہ اجر نصف اجر القائم ومن صلی نائما فلہ نصف اجر القاعد " لائے ہیں" لیکن حدیث میں کوئی بھی ایسا لفظ نہیں، جس سے کنایۃ بھی ترجمۃ الباب کی طرف، ایماء ہوتا ہو، یعنی بیٹھ کر نماز پڑھتے ہوئے اشارہ کا ذکر ہو اور طرفہ یہ ہے کہ مؤلف نے اسے باب صلوٰۃ القاعد میں بھی ذکر کیا ہے۔"

حالانکہ بات بالکل واضح ہے بہرحال بشری تقاضا ہے یہ لغزش نہ ہوتی اگر موصوف امام بخاری کے نسخہ کے الفاظ " نائما عندی مضطجعا ھھنا " دیکھ لیتے۔ تصریح نہ

بھی ہوتی تو بھی سیاق کے مطابق نائما کا معنی یہاں مضطجعًا کا ہے۔ استدلال یوں ہے کہ جب لیٹ کر نماز پڑھے گا تو اشارہ کرے گا اس طرح اگر کوئی بیٹھ کر نماز پڑھتا ہے لیکن رکوع و سجود سے قاصر ہے تو وہ بالاولٰی اشارہ سے نماز ادا کر سکتا ہے

واللہ الموفق۔

یہ ہیں وہ چند امثلہ حیقین" فاضل مصنف" نے بڑے شد و مد سے یہ ثابت کرنے کی ناپاک جسارت کی ہے کہ ان میں احادیث ترجمۃ الباب کے موافق نہیں، ہم اس کا فیصلہ ناظرین پر چھوڑتے ہیں کہ ان کا یہ دعوٰی کہاں تک مبنی بر صداقت ہے، یہی نہیں بلکہ ہم نے جب ان جملہ ابواب پر غور کیا جن پر" موصوف" نے اپنی کوتاہ نظری کے سبب اعتراض کیا ہے تو ہمیں کوئی بھی ایسی مثال نہ مل سکی جس سے یہ ثابت ہو کہ یہ حدیث باب کے مطابق نہیں، بلکہ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر اور علامہ عینیؒ نے تو ابتداہی سے ان ابواب پر سیر حاصل بحث کی ہے اور اگر کوئی انھیں کم ظرفی و کوتاہ بینی یا تعصب کی بناء پر اس کی طرف التفات نہ کرے تو یہ علیحدہ بات ہے مولانا موصوف کی امانت و دیانت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے جو انھوں نے صلا۶ پر یہ کہا ہے۔

"کہ علامہ نووی نے شرح مسلم کے مقدمہ کی چھٹی فصل میں صحیح مسلم کو ترجیح دیتے ہوئے لکھا ہے" کہ بخلاف بخاریؒ کے کہ انہوں نے ان وجوہ مختلفہ کو ابواب متفرقہ متباعدہ میں ذکر کیا ہے اور بہت سی باتیں غیر اس باب میں بیان کی ہیں جس میں ان کا بیان کرنا قریب الفہم اور اولٰی تھا مقدمہ شرح مسلم ہمارے سامنے ہے اسکی عبارت نقل کر دینا ہی اس کی تردید کے لیے کافی ہے۔

علامہ نووی فرماتے ہیں:

"وبخلاف البخاری فانه یذکر الوجوه المختلفة فی ابواب المتفرقة متباعدة وکثیر منها یذکر فی غیر بابه الذی یسبق الیه الفهم انه اولٰی به وذالك لدقیقه یفهمها البخاری منه۔"

ہر صاحب عقل سلیم غیر متعصب بھی سمجھے گا کہ علامہ نووی رحمہ اللہ تعالٰی یہاں سید الفقہاء امام بخاری کی دقت نظر بیان کرنا چاہتے ہیں، لیکن یہ بیچارے

فاضل اس سے کچھ اور ہی مطلب لے رہے ... انا للہ وانا الیہ راجعون۔
کسی نے کیا خوب کہا ہے ع

بات، تو بنائی تھی بہت خوب مگر تھی جو بگڑی ہوئی قسمت تو بنی خوب نہیں

بلکہ اس سے قبل ہم امام نووی کی وہ عبارت بھی لکھ آئے ہیں، جس میں انہوں نے امام بخاری کو ان کی دقتِ نظر کے پیشِ نظر نذرانہ عقیدت پیش کیا ہے، کاش موصوف علامہ نووی کے ان الفاظ کو نظر انداز نہ کرتے، "ذالک لدقیقۃ یفہمہا البخاری" واللہ الموفق۔

کیا امام بخاریؒ مقلد تھے؟ :-

بعض لوگوں کو امام بخاری کے ان مسائل کے پیشِ نظر جن میں امام صاحب کے مسلک کی دوسری شخصیت کی رائے اور ان کے مسلک سے موافقت کی ہے یہ شبہ ہوا کہ امام بخاری مقلد ہیں، لیکن ایسا نہیں کسی عالم کا اپنے تفردات کے علاوہ کسی دوسرے شخص کی رائے سے متفق ہونا اس کے اجتہاد کی نفی نہیں کرتا، اسی طرح سید الفقہاء امام بخاری کسی کے مقلد نہ تھے بلکہ خود صائب رائے رکھتے تھے اور متبع سنت تھے البتہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ آپ متبع سنت تھے۔ اور اپنی صواب دید کے مطابق استنباط فرمایا کرتے تھے، ان امور کے پیشِ نظر جبکہ ہم نقلی دلائل بھی ذیل میں درج کرتے ہیں آپ کو شافعی المسلک یا کسی اور امام صاحب کی طرف منسوب کرنا نہایت ناانصافی ہوگی بلکہ آپ مجتہد مطلق تھے۔ جیسا کہ متاخرین نے جابجا اس بات کی صراحت بھی کی ہے، چنانچہ مولانا محمد زکریا اللامع الدراری کے مقدمہ ص۱۸ میں شیخ ابراہیم بن عبداللطیف السندی کی کتاب "سحق الاغبیاء من الطاعنین فی کمل الاولیاء والانقیاء العلماء" سے نقل کرتے ہیں :-

"قال سلیمان بن ابراہیم العلوی البخاری امام مجتہد برأسہ کابی حنیفہؒ والشافعی والمالک واحمد وسفیان الثوری ومحمد بن الحسن"

اس سے چند سطور پہلے مولانا موصوف فرماتے ہیں :

"والارجح عندی انہ مجتہد مستقل کما یظہر من امعان النظر فی الصحیح"

شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں :

"امام البخاری وان کان منتسبا الی الشافعی وموافق

فی کثیر من الفقه فقد خالفه ایضًا فی کثیر" (الانصاف فی بیان سبب الاختلاف)

علامہ کاشمیری فیض الباری کے مقدمہ میں لکھتے ہیں :- "واعلم ان البخاری مجتہد لاریب فیہ وما اشتہر انہ شافعی فلموافقتہ ایاہ فی المسائل المشہورۃ والا فموافقتہ للامام الاعظم لیس اقل مما وافق فیہ الشافعی"

ہم انہیں اقوال پر اکتفاء کرتے ہیں، تلاش کرنے سے تو بہت مواد مل سکتا ہے اس دعویٰ پر دلائل کی کمی نہیں، خوف طوالت سے استیعاب ترک کئے دیتے ہیں البتہ چند اعتراضات جو کیے جاتے ہیں ان کا جواب ضروری ہے، ان میں سے ایک اعتراض یہ ہے کہ امام بخاری رح اگر مجتہد تھے تو آپ کے مذہب کی اشاعت کیوں نہیں ہوئی؟ اور امام ترمذیؒ (جو آپ کے خاص تلامذہ سے ہیں) نے اپنی جامع میں امام صاحب کے اجتہاد کو جگہ کیوں نہ دی، چنانچہ فرماتے ہیں :- "لو کان البخاری عند الترمذی من ائمۃ الفقہ والاجتہاد لذکر مذہبہ فی کل باب"

لیکن صاحب ماتمس الیہ الحاجہ کے گمان کے مطابق امام ترمذی کو ہر ہر باب میں امام بخاری کا مذہب ذکر کرنے کی تب حاجت وضرورت پیش آتی جب وہ خود امام بخاری کے مقلد ہوتے، اگر یہی بات مجتہد ہونے کے لیے معیار رہے تو امام ابو حنیفہ رح جو بالاتفاق مجتہد ہیں، امام ترمذی کو کسی ایک باب میں ان کا مذہب ذکر کرنا چاہیئے تھا؟

کاش کہ معترض ذرا غور کرتے اور انصاف سے کام لیتے۔

علامہ چلپی رح فرماتے ہیں :-

"والامام البخاری عندی مجتہد براسہ وھذا ایضا من ملاحظۃ تراجمہ یدقۃ النظر ممن یعرف اختلاف الائمۃ واما عدم نقل مذہبہ کالائمۃ المجتہدین فلانہ لم یکن اماما متبوعا ولم یقلدہ احد مثل الائمۃ الآخرین ولذا لم یشع مذہبہ"

علامہ چلپی کی عبارت سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اگر مجتہد ہونا اس بات پر موقوف ہے کہ اس کا مذہب بھی منقول ہو تو اس طرح سے سلف میں سے بہت بھاری اکثریت کو اجتہاد سے مستعفی قرار دینا پڑے گا!

دوسرا اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ طبقات شافعیہ میں امام بخاری کا ترجمہ قائم ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ شافعی تھے۔

یہ بات ایک طرف تو اصحاب طبقات کی اصطلاح سے ناواقف ہونے کی عکاسی کرتی ہے اور دوسری طرف سوال کی شکل اختیار کر کے اپنی موت آپ مرنے کی دعوت دیتی ہے، امام صاحب نے چونکہ امام شافعی رحمہ کے شاگرد امام حمیدی سے تعلیم حاصل کی، اس لئے علامہ سبکی رحمہ نے آپ کو طبقات شافعیہ میں لکھ دیا ہے۔

علامہ کاشمیری نے امام حمیدی کے شاگرد ہونے کی وجہ سے آپ کو شافعی نسبت سے یاد کیا ہے تو وہ امام اسحاق کے شاگرد بھی ہیں جو حنفی تھے

ایسا اقرار کرنے سے موت کے منہ میں کون آئے، اپنا تو یہ حال ہے کہ حدیث کی مخالفت پہ اٹے پڑے ہیں، اگر امام بخاری کو حنفی کہہ دیا تو الزامی طور پر ہی حدیث سے محبت کرنی پڑے گی۔

فرا نے طبقات حنابلہ (ج ۱ صـ ۲۷۱) میں اور قاضی عیاض رحمہ نے "ترتیب المدارک" میں امام کے تراجم بیان کئے ہیں تو کیا آپ کو مالکی یا حنبلی کہا جائے گا؟

حالانکہ بات وہی ہے جو ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں، اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے بھی لکھا ہے:-

"وکان اصحاب الحدیث ایضاً قد ینسب الی احد المذاهب لکثرۃ موافقۃ"

آج بھی "صحیح بخاری" ہمارے سامنے ہے غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ امام بخاری کی بات کہیں تو حنفیہ کے موافق ہے، اور دیگر ائمہ ثلاثہ کے مخالف ہے، اور حنابلہ و شوافع اور مالکیہ کی موافقت بھی کی ہے اور مخالفت بھی تو گویا ایک وقت میں اگر شافعی ہیں تو پھر حنفی، مالکی اور حنبلی کیوں نہیں ہو سکتے، اور اگر کہیں مذاہب اربعہ کی مخالفت کی ہے تو ظاہری طور پر غیر مقلد ہو گئے گویا امام بخاری رحمہ کا نہ کوئی ذہن ہے اور نہ پایہ تحقیق کہ رات دن اپنا مسلک بدلتے رہتے ہیں، خدا سمجھ دے کہ بعض لوگ محض تعصب کی بناء پر امام بخاری کے مجتہد ہونے سے انکار کر رہے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ امام بخاری قرآن و سنت اور آثار صحابہ و تابعین کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنی صواب دید کے مطابق کسی بھی مسئلہ میں فیصلہ صادر فرماتے ہیں

خواہ کسی کی تردید ہو یا موافقت ہو نیز اپنی صواب دید پہ باب قائم کرتے ہیں، اب ہم چند ابواب کی طرف نشان دہی پر ہی اکتفا کریں گے

الجامع الصحیح کے ص۳۸ پر ایک باب یوں ذکر کیا ہے کہ "باب لا یجوز الوضوء بالنبیذ" اس کے بعد امام حسن اور ابوالعالیہ کا قول نقل کیا ہے۔ پھر حضرت عطاء کا یہ اثر ذکر کیا ہے کہ نبیذ یا دودھ سے وضو کرنے سے تیمم کرنا بہتر ہے، اس کے بعد مرفوع حدیث سے اس پہ استدلال کیا ہے، جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ امام صاحبؒ نے یہاں اہل کوفہ کی مخالفت کی ہے۔

اسی طرح (ص۱۷۲) پر "باب السترۃ بمکۃ وغیرھا" میں امام احمدرحہ کے مسلک کی مخالفت کی ہے کہ کعبہ میں ہوتے ہوئے بھی سترہ ضروری ہے۔ لیکن امام احمدرحؒ اس کے قائل نہیں ہیں، جیسا کہ ابن قدامہ رحہ نے المغنی میں تصریح کی ہے۔

نیز (ص۱۷۷) پر "باب الصلوٰۃ علی الجنائز بالمصلی والمسجد" میں امام مالک کے مسلک کی مخالفت کی ہے، امام مالک ان جملہ احادیث کا جن سے مسجد میں جنازہ پڑھنے کا جواز ثابت ہوتا ہے یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ اجماع اہل مدینہ کے خلاف ہے، لیکن ایک دوسرے مقام پر یعنی "باب سؤر الکلب" میں آپ امام مالک کی موافقت کرتے ہیں کہ کتا نجس نہیں اور نہ ہی اس کا جوٹھا ناپاک ہے، اور برتن کا دھونا امر تعبدی ہے حالانکہ یہ مسلک جمہور کے خلاف ہے۔

علاوہ ازیں ص۵۳ "باب ما یذکر فی الفخذ" کے تحت حضرت ابن عباس، جرھد اور محمد بن جحش کی روایت "الفخذ عورۃ" کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے، اس کے بعد حضرت انسؓ کی روایت کی تقویت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"حدیث انس اسند وحدیث جرھد احوط حتی نخرج من اختلافھم"

امام صاحب کی یہ عبارت کس قدر صاف ہے جیسے یہاں انہوں نے امام شافعی رحؒ اور امام ابوحنیفہ رحہ کی مخالفت کی ہے، وہاں امام احمد و امام مالک کی بھی مخالفت کرتے ہوئے اپنی ایک علیحدہ رائے قائم کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت انسؓ کی روایت سنداً اصح ہے، البتہ احتیاط اس میں ہے کہ جرھد کی حدیث کو ملحوظ رکھا جائے۔

یہی نہیں بلکہ اور بھی متعدد مقامات ایسے ہیں جہاں انہوں نے اپنی انفرادی

رائے کا اظہار کیا ہے، چنانچہ اسی طرح "باب التیمم فی الحضر اذا لم یجد الماء وخاف فوت الصلوٰۃ" میں جہاں امام ابو حنیفہ رح کے مسلک کی مخالفت کی ہے، اور بظاہر ایک پہلو میں امام شافعی کی موافقت کی ہے تو دوسری طرف حضرت ابن عمر رض کا اثر لاکر یہ واضح کر دیا ہے کہ جب اس نے تیمم کر کے نماز پڑھ لی اور بعد میں پانی مل گیا تو نماز دوبارہ لوٹانے کی ضرورت نہیں۔

اس قسم کے متعدد الواب اس پر دلالت کرتے ہیں کہ امام صاحب نے کسی ایک مسلک کی پابندی نہیں کی، بلکہ جا بجا دیگر ائمہ کی مخالفت کرتے ہوئے اپنے مسلک کو اجاگر کیا ہے جو آپ کے مجتہد مطلق ہونے کی ایک بہت بڑی بیّن دلیل ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

تراجم الصحیح پر ایک نظر:۔

امام بخاریؒ نے "الجامع الصحیح" کے ابواب میں احادیث کو جس انداز سے مرتب کیا ہے، اس کا اندازہ سابقہ اوراق سے لگایا جا سکتا ہے، جن سے وہی شخص استفادہ کر سکتا ہے۔ جسے اللہ کریم کی طرف سے عقل سلیم اور فہم ثاقب کا وافر حصہ ملا ہو۔ گویا تراجم الابواب قائم کر کے فقہ اسلامی اور استنباط مسائل کے اصول قائم کر دیئے ہیں، چنانچہ علامہ ابن خلدون اسی تاثر کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

"کہیں تو حدیث سے استنباط میں عبارۃ النص سے کام لیتے ہیں اور کہیں اشارۃ النص سے اور کہیں دلالت النص سے بلکہ آپ نے مصالح عباد کو بھی نظر انداز نہیں کیا تاکہ کوئی گوشہ بھی چھوٹنے نہ پائے۔

یہاں ان جملہ ابواب پر تو بحث نہیں کی جا سکتی، البتہ چند ایک ابواب کی نشاندہی ضروری ہے۔

(۱) کبھی ایک حدیث عام ذکر کرتے ہیں، اور اس پر خاص باب مرتب کرتے ہیں جیسے "باب التسمیۃ علی کل حال وعند الوقاع" اور حضرت ابن عباس کی یہ روایت لائے ہیں۔

"لو احدکم اذا اتی اھلہ قال بسم اللہ" الحدیث

حدیث کو براہین کے دو...حصہ سے تو مطابقت ظاہر ہے اور پہلے حصہ

کے لئے اسی خاص حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ جب جماع کے لئے بسم اللہ مشروع ہے تو وضوء وغیرہ جیسے اعمال کے لئے بالاولیٰ مشروع ہوگی۔

(۲) کبھی باب میں حدیث کے معنی بیان کرتے ہیں مثلاً " باب الاغتباط فی العلم والحکمۃ " میں حضرت ابن مسعودؓ کی روایت لائے ہیں :۔

" قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاحسد الا فی اثنتین "۔

(۳) میں مقصود اس امر کی وضاحت ہے کہ حسد سے مراد اغتباط ہے جو حسد سے مختلف ہے۔

(۳) کبھی کبھی صرف لفظ باب پر اکتفاء کرتے ہیں جو عموماً دو طریق پر محمول کیا جاتا ہے یا تو یہ بمنزلہ ح ای بھذا الاسناد ہوتا ہے یا تشحیذ اذہان کے قبیل سے ہوتا ہے کہ اس کا تعلق ماقبل حدیث سے بھی ہے، لیکن طالب علموں میں قوتِ اجتہاد کی صلاحیت پیدا کرنے کے لئے صرف باب پر اس لئے اکتفاء کرتے ہیں کہ وہ خود اس پر ترجمہ قائم کریں کہ اس سے کیا مسئلہ ثابت ہوتا ہے۔

(۴) اور کبھی حدیث کے ایک حصہ کو ذکر کرتے ہیں اور اس کے متعلقہ مسئلہ پر باب ذکر کرتے ہیں، مثلاً " باب ماجاء ان الاعمال بالنیۃ " میں حضرت ابومسعودؓ کی یہ روایت نقل کی ہے :۔

" اذا انفق الرجل علی اھلہ یحتسبھا فھی لہ صدقۃ "

یہاں اعمال کا دارومدار نیت پر ثابت کرنے کے لئے اس حدیث کے اس جملہ پر اکتفاء کی ہے اور پھر اسی روایت کو (ص۱۷۳) پر مفصل لائے ہیں، اور اس پر " باب رثاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم سعد بن خولۃ " قائم کیا ہے، اس طرح کی متعدد مثالیں مل سکتی ہیں۔

نیز ایک حدیث سے جب متعدد مسائل ثابت ہوں تو اس پر علیحدہ علیحدہ باب ذکر کرتے ہیں۔

(۵) کبھی باب استفہام کے طریق پر ذکر کرتے ہیں، جس میں اختلاف کی نوعیت کا بیان ہوتا ہے کہ کیا اس۔ سے یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے یا نہیں۔ یا اس میں ایک وجہ اظہر ہوتی ہے، لیکن اس میں دوسرے معنی کا بھی احتمال ہوتا ہے اس لئے صرف استفہام

سے باب ذکر کرتے ہیں، مثلاً :-

"ھل یدخل الجنب یدہ فی الاناء قبل ان یغسلھا"

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنے رسالہ تراجم ابواب میں اور مولانا عبدالسلام صاحب مبارک پوری نے سیرۃ البخاری میں تفصیل سے اس پر بحث کی ہے اور اصول فقہ کی طرح باندھے ہوئے ابواب کی بھی نشان دہی کی ہے۔

صحیح بخاری کے نسخے :- امام بخاری سے ان کے نوے ہزار تلامذہ نے "الصحیح" کا سماع کیا ہے، لیکن ان میں سے چار تلامذہ ایسے ہیں جنہوں نے "الجامع الصحیح" کو روایت کیا ہے، جن کا تذکرہ ہم یہاں بیان کرتے ہیں۔

(۱) ابراہیم بن معقل بن حجاج نسفی رح ۔ المتوفی سنہ ۲۹۴ھ۔

علامہ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں :-

"قال الخلیلی ھو حافظ ثقۃ وقال المستغفری کان فقیہا حافظا بصیرا باختلاف العلماء عفیفا سمع قتیبۃ بن سعید وجبارۃ بن المغلس و ھشام بن عمارۃ وطبقتھم وحدث بصحیح البخاری عنہ۔"

لیکن حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ "الصحیح" کی روایت سے چند اوراق کا سماع نہیں کر سکے، بلکہ ان احادیث کو انہوں نے امام صاحب سے اجازۃً لیا ہے۔

العبر ص ۱۰۱ ج ۲ ۔ الشذرات ص ۲۱۵ ج ۲۔

علامہ ابن العماد نے ان کی وفات سنہ ۲۹۵ھ میں ذکر کی ہے واللہ اعلم۔

(۲) ابو محمد حماد بن شاکر الوراق النسفی رح، حافظ ابن حجر رح نے النسوی لکھا ہے حافظ صاحب ان کی وفات کے متعلق فرماتے ہیں اظنہ مات فی حدود التسعین "ای سنہ ۲۹۰ھ"

علامہ زبیدی رح نے تاج العروس فصل السین من باب الواؤ والیاء میں الفسوی لکھا ہے، لیکن صحیح النسفی ہے، اور ان کی وفات سنہ ۳۱۱ھ میں ہوئی ہے، جیسا کہ حافظ ابن نقطہ نے "التقیید" میں ذکر کیا ہے۔

(۳) ابو طلحہ منصور بن محمد بن علی البزدوی رح المتوفی سنہ ۳۲۹ھ

علامہ قسطلانی فرماتے ہیں :۔

"ھو اٰخر من حدث عن البخاری رح بصحیحہ کما جزم بہ ابو نصر بن ماکولا وغیرہ مقدمہ قسطلانی ص۳۳"

(۳) ابو عبداللہ محمد یوسف الفربریؒ، موصوف کو روایت کے اعتبار سے بخاریؒ کا حامل لواء کہا جاتا ہے، مشہور ہے کہ انہوں نے مؤلف سے "الصحیح" کا دو مرتبہ سماع کیا، پہلی مرتبہ ۲۴۸ھ میں اور دوسری مرتبہ ۲۵۲ھ میں۔

امام نووی "المنہاج" کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ فربری رح کی روایت نہایت مشہور اور متواتر ہے، اور ان سے بے شمار لوگوں نے الصحیح کا سماع کیا ہے، جن کی روایت "الصحیح" کے محفوظ نسخوں سے مروی ہے۔ شارحین نے ان کی تعداد بارہ بتائی ہے اور پھر حسب تفصیل ذیل ان بارہ سے ان کے رواۃ کے اسماء ذکر کئے ہیں، جن کے واسطے سے شارحین کی سند الصحیح کے مؤلف تک پہنچتی ہے۔ حافظ ابن حجر رح اور قسطلانی رح نے ان رواۃ کا ذکر کیا ہے۔ "قطف الثمر" اور "الیانع الجنی" میں اور شاہ ولی اللہ صاحب کی المسلسلات میں ان اسانید کا ذکر ملتا ہے۔

نیز شاہ صاحب نے اپنے رسالہ "الارشاد الی مھمات الاسناد" میں بھی بعض اسانید کا ذکر کیا ہے۔

علامہ ابن العماد رح شذرات میں فرماتے ہیں :۔ قد سمع من علی بن خشرم لما رابط بفربر وکان ثقۃ وربما رحل الیہ الناس وسمعوا منہ صحیح البخاری وھو احسن من روی الحدیث عن البخاری و"فربر" بفتح الفاء والراء وسکون الباء الموحدۃ وفی الاخرہ راء ثانیہ وھی بلیدۃ علی طرف جیحون مما یلی البخاری .. انتھی (الشذرات ص۲۸۶ ج ۲)۔

اب ہم فربریؒ کے ان دس تلامذہ کا ذکر کرتے ہیں، جن سے سلسلہ سند امام بخاری تک پہنچتا ہے۔

(۱) ابن السکن ابو علی سعید بن عثمان السکن المتوفی ۳۵۲ھ

موصوف ۲۹۴ھ میں پیدا ہوئے التذکرہ ص۱۲۳ میں حافظ ذہبی لکھتے ہیں :۔

" سمع ابا القاسم البغوی وسعید بن عبد العزیز الحلبی و

محمد بن محمد بن بدر الباهلی وابو عمر وبنۃ الحسانی ومحمد بن یوسف الغریابی

(۲) المستملی ابو اسحاق ابراہیم بن محمد المتوفی سنۃ ۳۷۶ھ۔
علامہ کرمانی رح اور قسطلانی رح نے ان کا تذکرہ کیا ہے علامہ ابن العماد فرماتے ہیں:۔
حدث بصحیح البخاری مرات عن الفربری وکان ثقۃ صاحب حدیث" الشذرات ص۸۶ ج۳ والعبر ص۱ ج۳)
ان سے الصحیح کی روایت عبدالرحمٰن بن عبداللہ والہمدانی اور ابوذر الھروی نے کی ہے۔

تنبیہ:۔ حافظ ابن حجر رح نے المستملی کے نسخہ کو اصح ترین نسخہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔
"المستملی احفظ من جمیع نساخ البخاری" باب اذلم یتم السجود"
لیکن اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ اختلاف نسخ کے موقعہ پر المستملی کے نسخہ کو ہی ترجیح دی جائے گی، بلکہ بعض مقامات ایسے ہیں کہ حافظ نے بھی وہاں مستملی کی بجائے دوسروں کے نسخہ کو معتبر قرار دیا ہے چنانچہ:۔
"باب ھل ینبش قبور مشرکی الجاھلیہ ویتخذ مکانھا مساجد"
میں حضرت انس رض نے قدوم مدینہ کے سلسلہ میں جو روایت ذکر کی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:۔
"فاقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیہم اربعا وعشرین لیلۃ
یہ نسخہ المستملی اور الحموی کا ہے، لیکن اس کے باوجود ترجیح اربع عشر کو دیتے ہوئے فرماتے ہیں:۔
"کذا للمستملی والحموی وللباقین اربع وعشرۃ وھو الصواب الخ فتح الباری ۲۱۷ ۔ج۱
تتبع کرنے سے اس قسم کی متعدد مثالیں مل سکتی ہیں لیکن ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

(۳) الاخیکتی ابو نصر احمد بن محمد المتوفی ۳۷۶ھ ان سے الصحیح کا نسخہ اسمٰعیل بن اسحٰق الصفار الزاہد نے روایت کیا ہے۔

(۴) ابو زید المروزی الفقیہ محمد بن احمد المتوفی ۳۷۱ھ

آپ جلیل القدر ائمہ شافعیہ میں سے ہیں، بغداد میں حافظ ابوالحسن الدارقطنی اور محمد بن احمد نے ان سے سماع کیا ہے۔ خطیبؒ فرماتے ہیں:۔

"ابو زید رجل ممن روی ھذا الکتاب"

نیز علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں:۔

"روی الصحیح عن الفربری" (العبر ۳۶ ج ۲ الشذرات ص ۷۶ ج ۳)

ان سے الصحیح کی روایت تین مشہور ائمہ نے کی ہے۔

(۱) ابوالحسن علی بن محمد القابسی المعافری المالکی المتوفی ۴۰۳ھ۔ حضرت النوابؒ التاج میں فرماتے ہیں:۔

"حج ۳۵۳ھ وسمع کتاب البخاری بمکۃ من ابی زید"

ملاحظہ ہو طبقات الشافعیہ ص ۱۲۵ ج ۲، التاج المکلل ص ۶۵، الشذرات ص ۷۶ ج ۳۔

(۲) حافظ ابو نعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی المتوفی ۴۳۰ھ شافعی المذہب تھے۔ حلیۃ الاولیاء آپ کی مایہ ناز کتاب ہے، آپ کے حالات المیزان ص ۵۲، لسان ص ۲۰۱ ج ۱، الشذرات ص ۲۴۵ ج ۳، البدایہ ص ۴۵ ج ۱۲، طبقات الشافعیہ ص ۷ ج ۳، الروض المسطور ص ۴۵، بیان کذب المفتری ص ۲۴۶، المستطرفہ ص ۲۶ اور اتحاف النبلاء میں مذکور ہیں۔

(۳) ابو محمد عبداللہ بن ابراہیم الاصیلی ۳۹۲ھ مالکی مذہب کے حافظ تھے، اپنے دور میں سحنون، فقہ سلف اور حدیث میں راتیں کاٹ دیتے تھے، امام دارقطنی رحہ کے مشائخ میں سے ہیں حافظ ذہبی رحہ لکھتے ہیں:۔

"الحافظ الثبت ... اخذ الصحیح عن ابی زید المروزی"

(۴) ابو علی محمد بن عمر بن شبویہ الشبوئی: یہ فربری سے الصحیح کے راوی ہیں، اور ان سے سعید بن ابی سعید الصوفی وغیرہ نے روایت کی ہے۔

(۵) ابو احمد محمد بن محمد الجرجانی: آپ سے القابسی مذکور اور حافظ ابو نعیم مذکور نے بھی الصحیح کا سماع کیا ہے، الشذرات ص ۸۲ ج ۳ میں ہے:۔

"حدث بصحیح البخاری عن الفربری ومات ۳۷۳"

علامہ ذہبیؒ نے "العبر" میں الصحیح کا استاد البغوی بھی ذکر کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: "حدث بصحیح البخاری عن البغوی" العبر ۳۶۶ ج ۲

(۶) ابومحمد عبداللہ بن احمد بن حمویہ السرخسی الحموی المولود ۲۹۲ھ المتوفی ۳۸۱ھ علامہ نووی نے ان کا سماع ۳۱۶ھ میں فربر میں لکھا ہے حموی اور سرخسی ایک ہی شخص ہے دو نہیں، جیسا کہ مولانا سہارنپوری نے سمجھا ہے، علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں :-

وفیہ مات مسند خراسان ابو محمد بن عبد اللہ بن احمد حمویۃ السرخسی راوی صحیح البخاری (التذکرہ ص ۱۷۳ ج ۳)

علامہ کرمانی رح نے تفصیل سے آپ کے حالات بیان کئے ہیں نیز ملاحظہ ہو الانساب ص ۲۹۵-۲۹۶ ج ۷ -

(۷) ابوالھیثم محمد بن مکی الکشمیھنی المتوفی ۳۸۹ھ کشمہینہ مرو میں، ایک قصبہ کا نام ہے، اور اس کی طرف نسبت میں کشی ہنی بھی کہا جاتا ہے - حضرت النوابؒ نے التاج میں لکھا ہے کہ یہ بستی اب برباد ہوگئی ہے - " واشتھر بروایۃ البخاری عن الفربری " ان سے الصحیح کا سماع ابوسھل محمد بن محمد المتوفی ۴۴۶ھ ام الکرام کریمہ بنت احمد المروزیہ اور ابوزرعہ عبدالرحیم بن احمد الھروی نے کیا ہے -

(۸) اسماعیل بن ابی نصر محمد بن احمد الکشانی المتوفی ۳۹۱ھ، الکشانیہ سمرقند سے بارہ میل کے فاصلہ پر ایک بستی ہے حافظ صاحب لکھتے ہیں :-

" وھو آخر من حدث عن الفربری رح " (التاج، معجم البلدان)

ان کا ذکر قسطلانی نے الارشاد کے مقدمہ میں کیا ہے -

(۹) ابوسعید احمد بن محمد -

(۱۰) محمد بن احمد بن صامت - آپ کا ذکر علامہ نووی رح نے کیا ہے -

(۱۱) ابولقمان یحیٰی بن عمار الختلانی :- آپ ابدال میں سے تھے، صاحب قطف الثمر اور الیافع الجنی نے آپ کا تذکرہ کیا ہے، ان سے الصحیح کی روایت الشیخ المعمر محمد بن شاذ بخت الفرغانی نے کی ہے - یہ سلسلہ سند بواسطہ احمد بن عبداللہ الطاؤسی حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ تک دس واسطوں سے پہنچتا ہے، جس کا ذکر انہوں نے المسلسلات میں یوں کیا ہے :- الشاہ ولی اللہ عن ابی الطاھر الکردی عن الشیخ ابراھیم الکردی عن معمر الصوفی عبد اللہ ملا سعد اللہ الاھوری عن الشیخ قطب الدین ...

عن الحافظ ابی الفتح نور الدین عن الشیخ المعمر ابی یوسف الهروی عن الشیخ المعمر محمد بن شاذ بخت الفرغانی عن ابی لقمان یحیی بن عمار الختلانی عن الفربری رح عن الامام الهمام شیخ الاسلام البخاری رح۔

و ذکروا ایضا ان الشیخ قطب النهروانی روی الصحیح عن الحافظ نور الدین ابی الفتح فعلی هذا المرتبق الوسائط الا تسعة

یاد رہے کہ حافظ نور الدین ابو الفتح احمد عبد اللہ الطاؤسی چونکہ خراسانی ہیں جو رجال ثامنہ سے ہیں، اس بناء پر حافظ ابن حجرؒ اور علامہ سیوطی رح کو یہ طریق نہیں پہنچ سکا۔

(۱۲) ابن عساکر المولود ۴۹۹ھ والمتوفی ۵۷۱ھ وهو الحافظ الکبیر محدث الشام فخر الائمه ثقة الدین ابو القاسم علی بن الحسن بن هبة الله بن عبد الله بن الحسین الدمشقی الشافعی صاحب تاریخ دمشق

موصوف، متعدد کتب کے مؤلف ہیں، جن کا ذکر علامہ ذہبی رح نے التذکرہ میں، اور دیگر اہل سیر نے بھی کیا ہے، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوں:۔

التذکرہ ص $\frac{118}{4}$ج، طبقات الشافعیہ ص $\frac{273}{4}$ج، الشذرات ص $\frac{239}{4}$ج، التاج ص ۲۶،

البدایہ ص $\frac{294}{12}$ج۔

(۱۳) ابو ذر المتوفی ۴۳۵ھ والصواب اربع قاله الذهبیؒ وهو الامام الحافظ عبد بن احمد بن محمد بن عبد الله بن عفیر الانصاری المالکی ابن السماک سمع من ابی اسحق المستملی ببلخ وابی الهیثم الکشمهینی بمرو اور ابن العماد لکھتے ہیں:۔

"روی الصحیح عن ثلاثة من اصحاب الفربریؒ" (الشذرات) اردو میں المستملی الکشمهینی اور السرخسی ہیں (کذا فی مقدمة الارشاد)

علامہ ذہبیؒ نے آپ کا مفصل تذکرہ کیا ہے، ملاحظہ ہو:۔

التذکرہ ص $\frac{284}{3}$ج، الشذرات ص $\frac{254}{3}$ج، البدایہ ص $\frac{5}{12}$ج۔

(۱۴) ابو الوقت المتوفی ۵۵۳ھ وهو عبد الاول بن عیسی بن شعیب بن اسحاق السجزی ثم الهروی ... ابن العماد فرماتے ہیں

"سمع الصحیح و مسند الدارمی وعبد بن حمید من جمال الاسلام الداؤدی فی سنۃ خمسین وستین واربعمائۃ"

علامہ ابن العماد نے آپ کا تذکرہ شذرات صہ ۱۶۶ ج۴ میں کیا ہے۔

نیز ملاحظہ ہو التاج صہ ۴۳۔

حضرت النوابؒ فرماتے ہیں "السجزی نسبۃ الی سجستان وھی من شواذ النسب"

حافظ ابن کثیرؒ البدایہ میں فرماتے ہیں :۔

"راوی البخاری و مسند الدارمی والمنتخب من مسند عبد بن حمید"

مؤخر الذکر تین نسخوں کا ذکر علامہ قسطلانی رحؒ نے علیحدہ کیا ہے۔ ان کا سماع اگرچہ اصحاب اربعہ کے شاگردوں سے ہے، تاہم ان کے یہ نسخے خاصی اہمیت رکھتے ہیں۔ علامہ موصوف نے مقدمہ ارشاد الساری میں ان کا کافی تعارف کرایا ہے اسی مناسبت سے ان کا یہاں ذکر کیا گیا ہے۔

آخر میں ہم ضروری خیال کرتے ہیں کہ صحیح بخاری کی جملہ

عدد مرویات:۔ روایات بھی نقل کر دی جائیں، علماء شرف اور شارحین کا اس میں اختلاف رہا ہے، علامہ الجزائری نے اس اختلاف کو ذکر کرنے کے بعد جو تعداد ذکر کی ہے وہ یہ ہے کہ صحیح بخاری ایک سو سے زائد کتب اور تین ہزار چار سو سے پچاس ابواب پر مشتمل ہے، یہ کل روایات ۹۰۸۲ ہیں۔ جن سے صحابہ کے آثار اور تابعین کے اقوال خارج ہیں جن میں معلق روایتیں ۱۳۴۱، احادیث ۷۳۹۷، اور وہ روایات جو متابعات یا تنبیہ کے طور پر لائے ہیں ۳۴۴ ہیں۔ (توجیہ النظر صہ ۹۴)

امام مسلم بن الحجاج رحمہ اللہ

۲۰۶ھ ۲۶۱

نام ونسب:- آپ کا نام مسلم اور باپ کا نام حجاج ہے۔ سلسلہ نسب یوں ہے۔ مسلم بن حجاج بن مسلم بن ورد بن کرشاد القشیری، النیسابوری آپ کی کنیت ابوالحسین اور لقب عساکرالدین ہے [۱]

ولادت:- آپ کے سن پیدائش میں اختلاف ہے۔ علامہ نووی رح اور ابن خلکان نے سنہ ۲۰۶ھ بتلایا ہے [۲]۔ لیکن حافظ ابن کثیر، علامہ ذہبی اور حافظ ابن حجر رح نے سنہ ۲۰۴ھ ذکر کیا ہے [۳]۔ اور شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رح نے بستان میں سنہ ۲۰۲ھ لکھا ہے۔ تاہم صحیح یوں معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کی پیدائش سنہ ۲۰۶ھ کی ہے۔ کیونکہ متاخرین میں سے ابن اثیر سے جامع الاصول کے مقدمہ میں اس کی تائید ملتی ہے۔ اور محدث مبارک پوری رح کا بھی یہی رجحان ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

شیوخ:- امام صاحب رح کی پیدائش نیشاپور میں ہوئی تھی۔ جو اس وقت علم وعرفان کا گہوارہ اور محدثین کا پایہ تخت تھا۔ اس لحاظ سے آپ نے بچپن ہی سے علم حدیث کی سماعت شروع کی ہے۔ چنانچہ علامہ ذہبی رح لکھتے ہیں:-

"واول سماعہ ثمانی عشرۃ ومائتین [۴]"

لیکن مورخین اور تذکرہ نگاروں سے آپ کے بچپن کے حالات سراسر نہیں ملتے تا آنکہ آپ کی تلمیذ کی حیثیت سے پہلی نشست اور شیخ کی تعیین ہوسکے، البتہ آپ نے خراسان میں امام اسحاق اور امام ذہلی سے سماعت کے علاوہ دیگر علمی مراکز کو بھی اپنے شرف ورود سے نوازا ہے، چنانچہ رَے کے محدثین میں سے محمد بن مہران حمال اور ابوغسان خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ عراق میں امام احمد رح اور ابوعبداللہ القعنبی حجاز میں سعید بن

---

[۱] بستان مترجم صفحہ ۱۰۵، [۲] تہذیب الاسماء صفحہ ۹۲ ج ۲ ابن خلکان صفحہ ۲۷۵ ج ۲ [۳] البدایہ صفحہ ۳۳ ج ۱۱ تذکرہ صفحہ ۱۵۰ ج ۲
[۴] تذکرۃ الحفاظ صفحہ ایضاً۔

منصور اور ابو مصعب مصر میں عمرو بن سواد اور حرملہ بن یحییٰ سے جو امام شافعیؒ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ مستفیض ہوئے[۱] بغداد میں تو اپنے اسفار کا سلسلہ آخری عمر تک جاری رہا چنانچہ ۲۵۹ھ میں بغداد کا سفر آپ کا آخری سفر تھا[۲] ان کے علاوہ احمد بن یونس یر بوعی، اسماعیل بن ادریس، عون بن سلام، اسحاق بن راہویہ، یحییٰ بن یحییٰ، قتیبہ بن سعید، علی بن جعد، ابن ابی شیبہ، امام بخاریؒ اور دیگر اصحاب الحدیث سے استفادہ کیا۔

(تلامذہ)

آپ سے بے شمار تلامذہ نے کسب فیض کیا اور اپنے شیخ کی طرح حشم وجلالت علم میں امامت کے درجہ کو پایا، امام ترمذی صاحب الجامع، محمد بن اسحٰق بن خزیمہ، محمد بن مخلد یحییٰ بن صاعد، ابو عوانہ، یعقوب بن اسحٰق الاسفرائینی، ابو العباس، محمد بن اسحٰق بن السراج اور ابراہیم بن محمد بن سفیان الفقیہ الزاہد خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ مؤخر الذکر صحیح مسلم کے راوی ہیں۔

امام ترمذی رحؒ نے اپنی جامع میں امام مسلم رحؒ سے ایک حدیث نقل کی ہے۔ جو بواسطہ یحییٰ بن یحییٰ عن ابی معاویہ عن محمد بن عمرو عن ابی سلمہ عن ابی ہریرہ ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں:۔ احصوا ھلال شعبان لرمضان۔

امام مسلمؒ کا علمی مذاق:۔ امام مسلمؒ کی صحیح ہی آپ کے علمی وفنی کمالات ومذاق کے لئے ایک دلیل ہے، اس سے مستزاد مورخین نے آپ کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ سے ایک مجلس مذاکرہ میں حدیث دریافت کی گئی آپ اس وقت نہ پہچان سکے تو اپنے گھر تشریف لے گئے، اپنی کتابوں میں تلاش شروع کی، کھجور کا ایک ٹوکرا آپ کے پاس دھرا پڑا تھا، آپ ساتھ ساتھ ایک، ایک کھجور کھاتے جاتے۔ انہماک واستغراق کا یہ عالم تھا کہ تمام کی تمام کھجوریں تناول فرما گئے، آخر یہی کھجوریں آپ کی جان لیوا ثابت ہوئیں اور جان جان آفریں کے سپرد کر گئے۔

اپنے معاصرین کی نظر میں:۔ آپ کے اپنے شیوخ آپ کے بارے میں آپ کو علمی قابلیت پر جس فراخدلی سے داد و

---

[۱] مقدمہ شرح صحیح مسلم از نووی ص ۵ [۲] تاریخ بغداد ص ۱۰۱ ج ۱۳ طبع جدید [۳] تہذیب الاسماء ص ۹۰ ج ۲ + ۱۲
[۴] تاریخ بغداد ص ۱۰۳ ج ۱۳، البدایہ ص ۳۳ ج ۱۱، التہذیب ص ۱۲۷ ج ۱۰ وغیرہ +

تحسین سے نوازتے ہیں، اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں :-

"ای رجل یکون ھذا"[1]

احمد بن سلمہ کا بیان ہے :" رأیت ابا زرعہ وابا حاتم یقدمان مسلم بن الحجاج فی معرفۃ الصحیح علی مشائخ عصرھما"[3]

حافظ ابوقریش رقمطراز ہیں :-

"حافظ الدنیا اربعۃ فذکرمنھم مسلما" التھذیب ص۱۲۸ مقدمہ تحفہ ص۱۴۶ التذکرہ ج۲ ص۱۵۱

امام اسحاق بن منصور امام مسلم سے مخاطب ہیں :-

"لن نعدم الخیر ما ابقاک اللہ للمسلمین"

ابن الاخرم :- گویا ہیں " انما اخرجت مدینتنا ھذہ من رجال الحدیث ثلاثۃ محمد بن یحیی وابراھیم بن ابی طالب ومسلما"

تصانیف :- امام مسلمؒ کی علمی یادگار مندرجہ ذیل کتب ہیں

(۱) صحیح مسلم، (۲) المسند الکبیر، (۳) کتاب الاسماء والکنی، (۴) کتاب العلل، (۵) کتاب التمییز (۶) کتاب المنفردات والوحدان طبع ہند اور اس کا قلمی نسخہ محترم و مکرم مولانا ارشاد الحق صاحب، زید مجدہٗ کے پاس موجود ہے۔ (۷) کتاب الاقران (۸) کتاب سوالات احمد بن حنبل (۹) کتاب مشائخ الثوری (۱۰) کتاب حدیث عمرو بن شعیب، (۱۱) کتاب الانتفاع باھب السباع، (۱۲) کتاب مشائخ شعبہ (۱۳) کتاب المخضرمین (۱۴) کتاب من لیس لہ الاراو واحد، (۱۵) کتاب الطبقات، (۱۶) کتاب اولاد الصحابہ (۱۷) کتاب افراد الشامیین (۱۸) کتاب اوھام المحدثین (۱۹) کتاب الجامع علی الابواب (۲۰) کتاب الافراد[4] (۲۱) مشائخ مالکؒ، (۲۲) کتاب الاخوۃ (۲۳) رواۃ الاعتبار (۲۴) الرباعیات وغیرہا کتاب العلل امام مسلم کی تصنیف ہے لیکن اسکے بعض مقامات محل نظر ہیں علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں :- "قل ما یوجد لہ غلط فی العلل لانہ کتب المسانید ولم یکتب المقاطیع والا المراسیل"

یہی وجہ ہے کہ العلل میں جو مقام امام بخاریؒ کو حاصل ہے، امام مسلم کو نہیں لہٰذا العلل میں جب اختلاف واقع ہو تو امام بخاریؒ ہی کا قول راجح ہوگا، علامہ یوسف بنوری اپنے شیخ

---

[1] التذکرہ ج۲ ص۱۵۱ تاریخ بغداد ج۱۳ ص۱۰۲ [2] تاریخ بغداد ج۱۳ ص۱۰۲ تذکرہ ج۲ ص۱۵۵ [3] تذکرۃ الحفاظ ج۲ ص۱۵۱ [4] التذکرہ ص۱۵۱

علامہ شاہ انور کاشمیری سے نقل کرتے ہیں :-

قول احمد بن حنبل والبخاری اولی بالاتباع من قول مسلم لانہما اعرف بالعلل منہ (معارف السنن جلد ۱ ص ۱۲) اسی طرح شیخ الاسلام ابن تیمیہ سورہ احد کی تفسیر میں فرماتے ہیں فانہ ای البخاری کان اعرف بالحدیث وعللہ وافقہ فی معانیہ من مسلم ونحوہ تفسیر سورۃ احد ص ۱۲

تنبیہ :- علامہ ذہبی نے گو کتاب الوحدان اور کتاب من "لیس لہ الا راو واحد" کو دو علیحدہ کتابیں قرار دیا ہے لیکن یہ درست معلوم نہیں ہوتا جیسا کہ مطبوعہ نسخہ سے واضح ہوتا ہے، البتہ ممکن ہے کہ کتاب الواحدان کے ص پر تیسیہ "من تفرد عنہ" کے عنوان سے جن اولیوں کا ذکر کیا ہے انہیں علامہ ذہبی نے علیحدہ رسالہ قرار دیا ہو، واللہ تعالیٰ اعلم

صحیح مسلم کا سبب تالیف :- امام مسلم رح اپنی "الصحیح" کا سبب اپنے تلامذہ کا استفسار رقم فرماتے ہیں ۔ میرے بعض تلامذہ نے مجھے متعدد روایات کو بلا تکرار جمع کرنے کو کہا، چنانچہ میں نے یہ مجموعہ تیار کیا، جسے میں نے تین لاکھ مسموع روایات سے منتخب کیا ہے ۔ التذکرہ ج ۲ ص ۱۵

"قال الحاکم سمعت عن ابی علی الحسین بن محمد الماسرجسی یقول سمعت مسلم بن الحجاج القشیری یقول صنفت ھذا المسند یعنی صحیحہ من ثلاث مائۃ الف حدیث مسموعۃ انتھی (تذکرہ ج ۲ ص ۱۵۰ ج ۲ ص ۱۵ تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۱۰۲)

اور اس میں آپ نے اپنی ذاتی تحقیق کے علاوہ مزید احتیاط کے پیش نظر دیگر مشائخ وقت کی تصحیح کو صحت کا معیار ٹھہرایا ہے ۔ چنانچہ فرماتے ہیں :-

"لیس کل شی عندی صحیح وضعتہ ھھنا انما وضعت ھھنا ما اجمعوا علیہ" (صحیح مسلم باب التشہد فی الصلوٰۃ)

اس مقولے پر آئندہ انشاءاللہ بالتفصیل بحث آ رہی ہے ۔

صحیح مسلم اور اس کی مقبولیت :- صحیح مسلم کو جس محنت شاقہ کے بعد امام صاحب رح نے مرتب فرمایا تھا تو اسکا صحیح اندازہ تو صحیح مسلم کو دیکھنے سے ہی ہو جاتا ہے، بلکہ خود امام مسلم کو بھی اپنے اس مجموعہ پر بجا طور پر ناز تھا چنانچہ فرماتے ہیں :-

"ولو ان اھل الحدیث یکتبون مائتی سنۃ الحدیث فمدارھم علی ھذا المسند یعنی صحیحہ" (مقدمہ شرح مسلم از نووی رح)

حافظ ابن مندہ بیان فرماتے ہیں :-

سمعت ابا علی النیسابوری یقول ما رأیت تحت ادیم السماء اصح من کتاب مسلم)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہی قول اہل مغرب سے بھی نقل کیا ہے۔ حافظ مسلم بن قاسم لکھتے ہیں :- "لم یضع احد فی الاسلام مثله" (مقدمہ شرح مسلم)

اور قاضی عیاض رحمہ اللہ نے الالماع میں ابو مروان طبنی سے نقل کیا ہے کہ میرے بعض شیوخ صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر ترجیح دیتے تھے۔ اور یہی قول حافظ ابن حزم سے بھی منقول ہے۔ علامہ خطیب بغدادی نے ابو سعید بن یعقوب سے نقل کیا ہے۔

ما رأیت فیما یری النائم کان ابا علی الزغوری یمشی فی شارع الحیرة وبیده جزء من کتاب مسلم یعنی ابن الحجاج فقلت له ما فعل الله بك فقال بنجوت بهذا واشار الی ذالك الجزء" تاریخ بغداد ص ۱۰۱ ج ۱۳ ابستان ص ۱۸۵

ابو حاتم رازی نے خواب میں امام مسلم رحمہ اللہ کو دیکھا حال دریافت کیا تو فرمایا کہ اللہ تعالے نے اپنی جنت میرے لئے مباح کر دی ہے، جہاں جی چاہے رہتا ہوں۔ علامہ نووی شارح صحیح مسلم اظہار خیال فرماتے ہیں :-

"ان احواله رضی الله عنه ومناقبه ومناقب کتابه لا تستقصی لبعدها عن ان تحصی (تہذیب الاسماء ص ۶۲ ج ۲

صحیح مسلم اور اس کے راوی :-

امام مسلم بن حجاج کی صحیح اگرچہ تواتر کے ساتھ منقول ہے، لیکن الصحیح کی روایت کا سلسلہ دو بزرگوں کے دم سے قائم ہے۔

(۱) شیخ ابراہیم بن محمد بن سفیان نیسابوری المتوفی ۳۰۸ھ

علامہ نووی تہذیب الاسماء (ج ۲ ص ۹۰) پر لکھتے ہیں : هو راوی صحیح مسلم"

اور شرح کے مقدمہ میں لکھتے ہیں :- اما من حیث الرواية المتصلة بالاسناد المتصل فقد انحصرت طريقته فی هذه البلدان والازمان فی رواية ابی اسحاق ابراهيم بن محمد بن سفيان عن مسلم

ابراہیم بن سفیان کو امام مسلم رحمہ اللہ سے خاص ربط تھا، اکثر ان کی خدمت میں رہتے۔

دوسرے راوی ابو محمد احمد بن علی قلانسی ہیں، لیکن ان کا سلسلہ صرف مغرب کی حدود

تک محدود ہے اور جو قبولیت ابراہیم کی روایت کو میسر ہوئی وہ قلانسی کی روایت کو نہیں ہو سکی، بلکہ ابو محمد قلانسی نے صحیح مسلم کا آخری حصہ جو تقریباً تین اجزاء کے قریب ہے یعنی حدیث افک سے آخر کتاب تک۔ امام مسلم سے نہیں سنا، البتہ ابراہیم کے شاگرد ابو احمد جلودی سے ابن ماہان روایت کیا کرتے تھے۔

ابراہیم بن سفیان سے ایک جماعت نے صحیح مسلم کو روایت کیا ہے، جن میں سب سے زیادہ شہرت جلودی کے نسخہ کو حاصل ہوئی ہے، حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

ابراہیم بن سفیان کے نسخہ میں فوات ہیں، جن کو کہ اخبرنا ابراہیم عن مسلم کے الفاظ سے روایت کرنا چاہیئے اور یہ فوات "اصول معتمدہ" میں تین مواضع میں محقق طور پر ثابت ہیں۔ (۱) کتاب الحج، باب الحلق والتقصیر" من حدیث ابن عمر رحم اللہ المحلقین (ج ۱، ص ۴۲۰) سے لے کر حدیث ابن عمر انہ صلی اللہ کان اذا استوای علی بعیرہ تک یعنی حدیث ابن عباس ومعہا ذو محرم ج ۱ ص ۴۳۴ تک

چنانچہ "باب الحلق والتقصیر" میں حضرت ابن عمر کی روایت مذکور پر یہ الفاظ ہیں:

من ھھنا قرأت علی ابی احمد حدثکم ابراھیم عن مسلم اور ص ۴۳۴ پر یہ الفاظ ہیں۔ الی ھھنا قرأت علیہ یعنی علی الجلودی عن مسلم پھر اس کے بعد حدیث مسلم ہے، دوسرا مقام ادا وصایا (ج ۲ ص ۳۸) حدیث ابن عمر ما حق امرئ تا (ج ۲ ص ۵۶) حدثنی اسحاق بن منصور ہے تیسرا فوات از حدثنی زھیر۔

صحیح مسلم اور اس کی خصوصیات:-

صحیح مسلم کو جو خصوصیات دیگر مصنفہ کتب حدیث سے ممتاز کرتی ہیں وہ درج ذیل ہیں:-

(۱) حسن ترتیب (۲) امام مسلم رحہ نے حدثنا اور اخبرنا، کے فرق کو بھی ملحوظ رکھا ہے، اور یہی مسلک جمہور محدثین کا ہے۔ بخلاف امام بخاری رحہ کے جیسا کہ ہم ان کے ترجمہ میں ذکر کر آئے ہیں۔ (۳) ایک ہی مفہوم کی حدیث اگر دو مختلف راویوں سے اختلاف الفاظ ذکر کرتے ہوئے صرف ایک سند پر بھی اکتفا کرتے ہیں۔ اور وہاں واللفظ لفلان کے الفاظ سے اشارہ کرتے ہیں۔ بسا اوقات اس سے بھی آسان طریق اختیار کرتے مثلاً حدثنا ابو بکر بن ابی شیبہ وابو سعید الاشج کلاھما عن ابی خالد قال ابو بکر، حدثنا ابو خالد ...

الفاظ ایک ہیں۔ گو بعض مواضع پر واللفظ لہ او نحوہ فرما دیتے ہیں۔ گویا ترک تطویل سے کام لیتے ہیں۔ لیکن یہ چیز صحیح بخاری میں نہیں ہے۔ چنانچہ ابن الصلاح النوع السادس والعشرون میں لکھتے ہیں:۔ " وذالك نما عیب علی البخاری"

(۴) صحیفہ ھمام بن منبہ میں امام مسلم رح نے سب سے الگ راہ اختیار کی ہے۔ وہ یہ کہ حدثنا سے عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پوری سند بیان کر دینے کے بعد کہہ دیتے ہیں فذکر احادیث منہا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مگر امام بخاریؒ نے ایک دوسرا طریق اختیار کیا ہے کہ صحیفہ کی پہلی حدیث کا اشارہ فرما کر اس پر مقصود حدیث کا عطف ڈالتے ہیں۔ مثلاً کتاب الطہارت میں حضرت ابوہریرہ رض سے حدیث روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔" انہ سمع رسول اللہ صلعم یقول نحن الاخرون السابقون وباسنادہ قال لا یبولن احدکم فی الماء الدائم مگر علماء فن لکھتے ہیں:۔

طریق مسلم اوضح ولذا اقل من اطلع علی مقصد البخاری فی ذالك"

(۵) اور جب کبھی کسی نام یا کنیت کا ذکر کرتے ہیں، تو اس کی توضیح کبھی تو یعنی فلاں یا وہو فلاں سے کرتے ہیں۔ مثلاً حدثنا عبد اللہ بن مسلمۃ حدثنا سلیمان یعنی ابن بلال عن یحیی وھو ابن سعید الخ جس سے امام صاحب کی حسن صداقت کے ساتھ حسن ذوق اور معرفت تامہ کا ثبوت ملتا ہے۔

(۶) امام مسلمؒ نے مقدمہ مسلم میں خود رواۃ کو تین ۳ طبقوں میں تقسیم کیا ہے:۔

(۱) وہ حدیثیں جو بالکل صحیح اور ان کے رواۃ عموماً متقن، حافظ، ضابط اور ثقہ تسلیم کئے گئے ہیں۔

(۲) وہ احادیث جن کے رواۃ باعتبار ثقاہت اور حفظ، اتقان کے پہلے درجہ کی نسبت کم ہیں۔

(۳) وہ حدیثیں جن کے رواۃ کو عموماً یا اکثر محدثین نے مردود قرار دیا ہے اور متہم بالکذب ہوں، ان طبقات کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ میں پہلی قسم کی حدیثوں کے بعد دوسری قسم کی احادیث درج کروں گا، لیکن مجھے تیسری قسم کی احادیث سے کوئی سروکار نہیں (مقدمہ صحیح) علامہ نووی مقدمہ شرح مسلم میں مزید فرماتے ہیں۔ کہ امام مسلم کے اس قول میں محدثین کی دو ۲ مختلف رائیں ہیں۔

حافظ ابو عبداللہ حاکم اور حافظ بیہقی کا خیال ہے، کہ امام مسلم رح کو موت نے دوسرے طبقے کی حدیثوں کی تخریج کا موقعہ نہیں دیا۔ لیکن قاضی عیاض کی تحقیق یہ ہے کہ صحیح مسلم میں دونوں طبقوں کی حدیثیں موجود ہیں (مقدمہ شرح نووی)۔ البتہ فرق یہ ہے کہ دوسرے طبقے کی روایات بطور شواہد یا متابعت مذکور ہیں۔ جن کو بعض محدثین نے معتبر اور بعض نے غیر معتبر قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم۔

صحیح مسلم اور صحیح بخاری میں موازنہ:- جمہور محدثین اور ائمہ اصول نے صحیح بخاری کو اصح الکتب گردانا ہے۔ اس کے برعکس بعض اہل مغرب نے صحیح مسلم کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ کہا ہے، چنانچہ امام ابو علی النیسابوری صحیح مسلم کے متعلق فرماتے ہیں:۔

"ما تحت ادیم السماء اصح من کتاب مسلم"

اور یہی قول ابن حزم رحمہ اللہ کا ہے، جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں۔ لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ فنی اعتبار سے تو صحیح بخاری کا درجہ بلند ہے اور حسن ترتیب میں مسلم کو فوقیت حاصل ہے۔ جس طرح اگلے صفحات پر ہم ذکر کریں گے۔ تاہم کلی طور پر ان دونوں میں سے کسی کو بھی ایک دوسری پر فوقیت حاصل نہیں ہے، البتہ کچھ وجوہ کی بناء پر جو نسبتاً صحیح مسلم کے تفوق میں زیادہ ہیں، صحیح بخاری کو صحیح مسلم پر ترجیح دینا لازمی ہو جاتا ہے، ذیل میں ان وجوہات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

(۱) صحیح بخاری کے رواۃ پر صحیح مسلم کے رواۃ کی نسبت تنقید کم ہے۔

(۲) صحیح بخاری کے جن رواۃ پر جرح کی ہے، ان سے امام بخاری رح نے بہت کم روایت کی ہے۔ برعکس صحیح مسلم کے کہ اس میں ان کی مرویات بکثرت ہیں۔

(۳) صحیحین میں مجروحین زیادہ تر وہ لوگ ہیں۔ جن کا شمار امام بخاریؒ کے شیوخ میں ہوتا ہے۔ اور مؤلف کو چونکہ ان کی مرویات کے متعلق مکمل انشراح حاصل تھا بنابریں وہ ان سے روایت لائے ہیں۔ لیکن صحیح مسلم میں ایسے رواۃ تبع تابعین وغیرہ سے ہیں۔ جن کو صحیح طور پر جانچنا مشکل ہے۔

(۴) امام بخاری رح نے اصالۃ طبقہ اولیٰ سے روایت کا التزام کیا ہے۔ اور پھر استشہاداً طبقہ ثانیہ سے روایت لائے ہیں۔ مگر امام مسلم رح اس دوسرے طبقے سے بھی اصالۃ

روایت لے آتے ہیں۔

(۵) امام مسلم رح معنعن روایت میں اتصال کے لئے صرف معاصرت کافی سمجھتے ہیں، مگر امام بخاری رح معاصرت کے ساتھ لقاء کو بھی ضروری قرار دیتے ہیں۔

(۶) ائمہ حدیث کا اس بات پر اتفاق ہے۔ کہ جلالت قدر میں امام بخاری رح کا مرتبہ امام مسلم رح سے بہت بلند ہے، اس پہ مستزاد یہ کہ آپ امام مسلم رح کے استاذ ہیں اور صناعت حدیث میں زیادہ ماہر ہیں جیسے کہ بعض نے کہا ہے :-

" وان مسلما تلمیذہ ..... ولم یزل یستفید منه ویتبع اثاره حتی قال الدار قطنی لولا البخاری ما راح مسلم ولا جاء" ان وجوہ کی بنا پر صحیح بخاری کو جمہور نے اصح کہا ہے۔ رہا امام حاکم کا قول تو اس کا جواب علامہ سیوطی رح نے تدریب الراوی میں متعدد انواع سے ذکر فرمایا ہے۔ وہ حافظ ابن حجر عسقلانی رح سے نقل فرماتے ہیں، کہ امام حاکم کے قول میں احتمال ہے، کہ اس میں اگر مساوات مراد ہو جیسا کہ حدیث میں ہے۔" ما اظلت الخضراء ولا اقلت الغبراء اصدق لهجة من ابی ذر" تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان اس بات پر دال نہیں کہ وہ جمیع صحابہ اور حضرت ابو بکر رض صدیق سے بھی زیادہ اصدق تھے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد اس سے یہ تھی کہ ابو ذر رض سے اصدق کوئی نہیں، یعنی مساوات بیان کرنا مقصود تھا برعکس امام نووی کے قول کے وہ فرماتے ہیں :-

" والبخاری اصحهما واکثرهما فوائد وقیل مسلم اصح والصواب الاول" (التقریب مع التدریب)

اور آگے چل کر ایک جواب یہ دیا ہے کہ امام حاکم رح کا مقصود وہ نہیں جس کے ہم درپے ہیں۔ بلکہ صحیح مسلم کو بایں وجہ ترجیح ہے کہ

انه کان یتحرز فی الالفاظ ویتحری فی السیاق بخلاف البخاری فربما کتب الحدیث من حفظه ولم یمیز الفاظ روایته وربما یعرض له الشك وقد صح عنه انه قال رب حدیث سمعته بالبصرة فکتبته بالشام ولم یتصد مسلم لما تصدی له البخاری من استنباط الاحکام وتقطیع الاحادیث ولم یخرج الموقوفات (التدریب)

علاوہ ازیں ہم صحیح مسلم کی خصوصیات میں بھی اس پہلو پر کچھ روشنی ڈال آئے ہیں۔ جس سے مترشح ہوتا ہے کہ صحیح مسلم کو ان وجوہ کی بنا پر ترجیح دی گئی ہے۔ پھر امام مسلم رح حدیث کے مختلف طرق واسانید کی تحویل کو نہایت ایجاز سے ادا کرتے ہیں۔

الغرض صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر صرف حسن وضع اور جودت ترتیب کے اعتبار سے ہی فوقیت حاصل نہیں بلکہ بعض دیگر فنی وجوہ کے اعتبار سے بھی امتیاز حاصل ہے۔ ہاں صحیح بخاری اپنے دیگر امتیازات کے ساتھ ساتھ اصحیت اور دیگر علمی وفنی خوبیوں کا ناقابل بیان ذخیرہ اپنے اندر سموئے ہوئے ہے، جو ایک یاحن کی مانند ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ تراجم ابواب ایک منہ بولتی شرح ہے۔ تو کیوں نہ صحیح بخاری کو ذخیرہ کتب حدیث میں گل سرسبد کی حیثیت حاصل ہو، وللہ الحمد والمنۃ " واللہ اعلم بالصواب"

معنی قولہ: "انما وضعت ھھنا ما اجمعوا علیہ" امام مسلم کے یہ الفاظ "باب التشہد" میں ہیں جو دراصل ایک استفسار کا جواب ہیں، اور وہ یہ کہ راوی کتاب نے امام مسلم رح سے دریافت کیا کہ آپ کے نزدیک جب حضرت ابوہریرہ کی روایت "واذا قرأ فانصتوا" صحیح ہے؟ تو اسے اپنی صحیح میں درج کیوں نہیں کرتے چنانچہ امام مسلم رح نے فرمایا!! ولیس کل شیٔ صحیح عندی وضعتہ الخ

لیکن محققین نے امام رح مسلم سے اتفاق نہیں کیا اس لئے علامہ نووی رح رقمطراز ہیں:۔

"ومع ھذا فقد اشتمل کتابہ علی احادیث اختلفوا فی متنھا اواسنادھا وفی ذالک ذھول عنہ عن ھذا شرط" (التدریب)

حافظ ابن الصلاح نے اس کی تاویل ان الفاظ سے کی ہے:۔

"وان لم یظھر اجتماعھا فی بعضھا عند بعض"

علامہ عراقی اس پر تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ بات امام مسلم کے اس قول سے مفہوم نہیں ہوتی بلکہ اس کا تقاضی تو یہ ہے کہ:۔

"ان جمیع احادیث کتابہ مجمع علی اجماع شرائط الصحیح فیھا الخ

پس امام مسلم رح کے اس قول کی توضیح میں کہا جائے گا۔

"ای ما وجد عندہ فیہ شرائط الصحیح المجمع علیہ بحسب نظرہ واطلاعہ وان خالفہ البعض فی بعضھا"

حافظ ابن الصلاح نے دوسری تاویل یہ کی ہے کہ اس سے مراد نفس حدیث میں اختلاف نہ ہوتا ہے۔ نہ کہ حدیث کے بعض راویوں کا مختلف فیہ ہونا بہرحال تاویل جو بھی کی جائے، اس میں بحسب نظرہ کی شرط ملحوظ رہے گی۔

پھر یاد رہے کہ ابن الصلاح نے اگرچہ اس اجماع سے اجماع عام لیا ہے۔ لیکن دیگر اہل فن نے اسے اس دور کا خاص اجماع قرار دیا ہے۔ چنانچہ علامہ بلقینی فرماتے ہیں:

"اراد مسلم اجماع اربعة احمد بن حنبل وابن معين وعثمان بن ابی شيبه وسعيد بن منصور الخراسانی" (المقدمہ ص ۱۵)

بعینہ اس قسم کا اجماع وہ ہے، جس کا ذکر امام اسحٰق کرتے ہیں۔ کہ میں جب عراق گیا تو امام احمد، ابن معین اور دیگر اصحاب کے ساتھ نشست و برخاست رہتی، احادیث کا ذکر چھڑ جاتا اور محدثین ایک ایک حدیث کی دو، دو، تین تین سندیں پیش کرتے جاتے، پھر سب کے بیچ میں امام یحییٰ فرماتے۔ اور یہ سند بھی تو ہے! جب اسانید و طرق کا مرحلہ طے ہو پاتا تو میں کہتا:

"الیس قد صح هذا باجماع منا" (ترجمہ امام احمد تاریخ الاسلام للذہبی ص ۴۵ دارالمعارف)

بہرحال اگر اجماع سے اجماع عام مراد لیں تو اس میں "بحسب نظرہ" کی شرط ملحوظ ہوگی، اور اگر اجماع خاص مراد لیں تو کوئی اشکال نہیں رہتا واللہ اعلم۔

صحیح مسلم اور اس کے ناقدین:-

جیساکہ ہم ذکر کر آئے ہیں کہ امام مسلمؒ نے رواۃ کو تین طبقوں میں تقسیم کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ میں تیسرے طبقے سے روایت نہیں لاؤں گا، لیکن علامہ سیوطی رح لکھتے ہیں کہ جب کہیں طبقہ اولیٰ و ثانیہ سے حدیث نہیں ملی تو تیسرے طبقے سے بھی حدیث لائے ہیں۔ بایں وجہ حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:-

"وقد عيب على مسلم روايته فى صحيحه عن جماعة من الضعفاء والمتوسطين الذين ليسوا من شرط الصحيح"

مگر اس کے جواب بچند وجوہ دیے گئے ہیں:-

(۱) "ان ذالك واقع فى المتابعات والشواهد كما لا فى الاصول"

(۲) جس راوی کو ضعیف کہا گیا ہے۔ تو اس میں موجب ضعف بعد میں پیدا ہوا۔ امام

مسلم اس سے بری ہیں۔ مثلاً احمد بن عبدالرحمٰن بن اخی عبداللہ بن وہب ہیں کہ امام مسلم کے ۲۰۵ھ؁ میں مصر سے خروج کے بعد ان کے حافظہ میں اختلاط سے قبل ان سے روایت لے چکے ہیں۔ (اعلام المحدثین)

(۳) یا محض علو سند کے اظہار کے لئے ضعیف راوی سے سند لے آئے ہیں، حالانکہ وہی روایت نزول کے ساتھ دوسرے ثقات سے بھی حاصل ہے۔ جیسا کہ امام مسلمؒ نے سعید بن عمرو کے استفسار کے جواب میں فرمایا تھا۔ "تاریخ بغداد" ص ۲۷۴

(۴) اور اگرچہ ایک جماعت نے اس کے بعض راویوں کو ضعیف کہا ہے، لیکن امام مسلمؒ کے نزدیک ان کی ثقاہت متحقق ہے۔ وغیر ذالک۔"

لیکن ان جوابات میں بعض تو ایسے ہیں جو محل نظر ہیں۔ جنہیں ہم یہاں ذکر نہیں کرتے البتہ ان روایات کی نشاندہی کرتے ہیں، جن پر محدثین نے کلام کیا ہے۔

(۱) علامہ ابن الجوزی جو کہ حدیث کو موضوع کہنے میں متشدد ہیں، انہوں نے صحیح مسلم کی ایک حدیث کو بھی موضوع کہا ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں۔

"عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان طالت بک مدۃ اوشک ان تری قوما یغدون فی سخط اللہ ویروحون فی لعنتہ فی ایدیہم مثل اذناب البقر"

حافظ ابن حجر القول المسدد میں فرماتے ہیں

"لم اقف علی شئی فی کتاب الموضوعات حکم علیہ بالوضع وھو فی احد الصحیحین غیر ھذا الحدیث وانہا لغفلۃ شدیدۃ منہ" القول المسدد ص ۳۲

ابن الجوزی اس روایت کے موضوع ہونے کی علت یہ ذکر کرتے ہیں، کہ ابن حبان نے اسے باطل کہا ہے۔ اور افلح ثقات سے موضوع روایتیں بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کے الفاظ ہیں:-

قال ابن حبان باطل وافلح یروی الموضوعات عن الثقات

لیکن حقائق اس کے خلاف ہیں۔ افلح ثقہ ہیں، متقدمین میں سے کسی ایک نے بھی اسے مجروح قرار نہیں دیا، حافظ ابن حجرؒ نے القول المسدد میں اس پر مفصل بحث کی ہے فرماتے ہیں:-

افلح المذکور ثقۃ مشہور وثقہا ابن حبان وابن سعد والنسائی

وابو حاتم وروی عنہ ابن المبارک و طبقتہ واخرج
لہ مسلم فی صحیحہ ولم ار للمتقدمین فیہ کلاما الا ان العقیلی
قال لم یرو عنہ الزھری وھذا لیس بجرح وقد اخطأ ابن الجوزی فی تقلیدہ
ابن حبان فی ھذا الموضع خطأ شدیدا وغلط ابن حبان فی افلح
فضعفہ بھذا الحدیث وتعقب الذھبی فی المیزان کلام ابن حبان
فقال حدیث افلح صحیح غریب وابن حبان ربما جرح الثقۃ حتی
کانہ لا یدری ما یخرج من رأسہ وقد تابعہ سھیل عن ابیہ
عن ابی ھریرۃ اخرجہ احمد والحاکم والبیہقی فی الدلائل و
ابن حبان فی صحیحہ قال ولقد اساء ابن الجوزی لذکرہ فی
الموضوعات حدیثا فی صحیح مسلم وھذا من عجائبہ انتھی القول المسدد
والآلی المصنوعہ ص۱۸۳ ج۲ ص۱۸۴ (۲) دوسری روایت حضرت ابن عباس سے مروی ہے جسکے الفاظ یہ ہیں،
قال کان المسلمون لا ینظرون الی ابی سفیان ولا یقاعدونہ،
فقال للنبی صلی اللہ علیہ وسلم یا نبی اللہ ثلاث اعطینھن قال نعم
قال عندی احسن العرب واجملہ حبیبۃ بنت ابی سفیان ازوجکھا قال نعم
اس روایت پر بھی محدثین نے بڑی سختی سے کلام کی ہے۔ اور کہا ہے کہ تاریخی
اعتبار سے بھی یہ روایت غلط ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ ام حبیبہؓ کا نکاح فتح مکہ سے
قبل ہو چکا تھا، حافظ ابن حزمؒ اس روایت کے متعلق فرماتے ہیں۔
ھذا الحدیث وضعہ عکرمۃ بن عمار وھذا القول منہ لا یتابع علیہ
(البدایہ ص۵ ج۴، جلاء الافہام۔ شرح مسلم ص۳۰۴ ج۲ الھدی ص۲۷
حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں (فی صحیح مسلم قد ساق لہ اصل منکر عن سماک
الحنفی عن ابن عباس فی الثلاثۃ التی طلبھا ابو سفیان الخ" (میزان ترجمہ مکرہ) عکرمہ
حافظ ابن حجرؒ رقمطراز ہیں:۔
وما وقع عند مسلم ان ابا سفیان لما اسلم طلب منہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم ان یزوجہ ایاھا فاجابہ الی ذالک وھو
وھم من بعض الرواۃ (الاصابہ ص۸۵ ج۸

اور علامہ ابن اثیر فرماتے ہیں :-

وما رواہ مسلم بن الحجاج فی صحیحہ ان اباسفیان لما اسلم طلب منہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یتزوجہا ناجابہ الی ذالک وھو وھم من بعض الرواۃ " (اسد الغابہ ص۱۴۴ ج ۴)

حافظ ابن قیم رح نے جلاء الافہام میں اس حدیث پر بسط سے کلام کی ہے، مکمل بحث کے لئے اصل کی طرف رجوع کریں، البتہ ان کا فیصلہ ملاحظہ کرتے جائیں، فرماتے ہیں :-

فالصواب ان الحدیث غیر محفوظ بل وقع فیہ تخلیط "[1] اور اس کے بعد جس قدر اس کے جوابات دیئے ہیں ان کا ایک ایک کر کے جواب دیا ہے۔ ایک مقام پر لکھا ہے کہ اگر کہا جائے کہ عکرمہ کی متابعت اسمٰعیل بن مرسال نے کی ہے۔ جسے طبرانی نے اپنی معجم میں ذکر کیا ہے۔ تو وہ متابعت قابل اعتماد نہیں کیونکہ

" ان ھولاء مجاھیل لا یعرفون بنقل العلم "

تاہم ہمارے مذکورہ بیان سے واضح ہوتا ہے کہ اس روایت کے ذکر کرنے میں بعض رواۃ کا وہم ہے۔ البتہ اس کے جواب متعدد دئے گئے ہیں۔ علامہ نووی ابن حزم کی کلام نقل کر کے اسے بہت بڑی جسارت قرار دیتے ہیں اور لکھتے ہیں :-

قال ابو عمرو یحتمل انہ سالہ تجدید عقد النکاح تطییبا لقلبہ الخ

لیکن حدیث کے الفاظ اس پر دلالت نہیں کرتے حافظ ابن قیم رح کی جلاء الافہام میں کردہ بحث جو ایک پختہ جواب کی حامل ہے کیطرف رجوع فرمائیں علامہ نووی بھی اس جواب سے عدم اطمینان کا اظہار کرتے ہیں، چنانچہ رقمطراز ہیں :-

لیس فی الحدیث ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم جدد العقد قال لابی سفیان انہ یحتاج الی تجدید فلعلہ صلی اللہ علیہ وسلم اراد بقولہ نعم ان مقصودک یحصل وان لم یکن بحقیقۃ العقد (شرح مسلم للنووی ص۳۰۴ ج ۲)

حافظ ابن کثیر نے ایک جواب یہ دیا ہے :-

" والاحسن فی ھذا انہ اراد ان یزوجہ ابنتہ الاخری عزۃ لما رأی فی ذالک من الشرف واستعان باختھا ام حبیبۃ کما

---

[1] جلاء الافہام ص۱۷۹ تا ص۱۹۲ الھدی ص۲ ط ھند علی ھامش ابن ہشام

فی الصحیحین وانما وھم الراوی فی تسمیۃ ام حبیبۃ وقد ورد قال ان الک خیراً مفروا
لیکن حافظ ابن کثیرؒ کا اسے احسن کہنا قطعاً درست نہیں کیونکہ (العیاذ باللہ)
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم نہ تھا کہ دو بہنوں کا عقد جائز نہیں حافظ ابن قیمؒ
فرماتے ہیں:۔

ولا یبعد اخفاء التحریم للجمع علیہ فقد خفی ذالک علی ابنتہ وھی افقہ منہ واعلم حین قالت لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہل لک فی اختی بنت سفیان الخ۔

آگے چل کر فرماتے ہیں:۔

ھذا الجواب حسن لولا قالہ فی الحدیث فاعطاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما سأل فیقال حینئذ ھذہ اللفظۃ وھو من الراوی فانہ اعطاہ بعض ما سأل واطلقہا

بہر حال ام حبیبہؓ کے نام میں یا فاعطاہ ما سأل کے لفظ میں وہم ماننے کے بغیر کوئی چارہ جوئی نہیں ہے، حافظ ذہبیؒ اور حافظ ابن حزم نے اسے عکرمہ کا وہم بتایا ہے۔ اور حافظ ابن حجرؒ نے اسے مطلق رکھا ہے اور اس نام کی تعیین میں اجتناب سے کام لیا ہے کما مرّ انفا واللہ اعلم

(۳) تیسری روایت حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے:۔

" اخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدی فقال خلق اللہ التربۃ یوم السبت وخلق فیہا الجبال یوم الاحد الحدیث

ظاہر ہے کہ یہ روایت قرآن پاک کے خلاف ہے، کیونکہ اس میں " خلق اللہ سبع سمٰوات والارض فی ستۃ ایام " ہے اور یہاں زمین کا ذکر آنحضرت ساتویں دن فرما رہے ہیں، شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:۔

" وکذالک فی صحیح مسلم فیہ الفاظ قلیلۃ غلط وفی نفس الاحادیث الصحیحۃ مع القرآن ما یبین غلطہا مثل ما روی ان خلق التربۃ یوم السبت وجعل خلق المخلوقات فی الایام السبعۃ وان ھذا الحدیث قد بین الائمۃ کیحیٰی بن

معین وعبد الرحمن بن مهدی والبخاری وغیرھم انه غلط وانه لیس فی کلام النبی صلی اللہ علیه وسلم بل صرح البخاری فی تاریخه الکبیر انه من کلام کعب الاحبار کما قد بسط فی موضعه والقرآن یدل علی غلط ھذا (الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح)

اسی طرح ان کے تلمیذ حافظ ابن قیم رح رقمطراز ہیں:۔

"اما حدیث ابی ھریرۃ الذی رواہ مسلم فی صحیحه خلق التربة یوم السبت فقد ذکرہ البخاری فی تاریخه انه حدیث معلول وان الصحیح انه قول کعب الاحبار وھو کما ذکر لانه یتضمن ان ایام الخلق سبعة والقرآن ان البدائع والفوائد ص۸۵ ج۱

اور حافظ ابن کثیر رح فرماتے ہیں:۔

فقد رواہ مسلم والنسائی فی کتابیھما من حدیث ابن جریج وھو من غرائب الصحیح وقد علله البخاری فی التاریخ وقال رواہ بعضھم عن ابی ھریرۃ عن کعب الاحبار وھو اصح (تفسیر ابن کثیر ص۹۲ ج۱)

امام بخاری رح نے یہ قول ایوب بن خالد بن ابی ایوب کے ترجمہ میں نقل کیا ہے (التاریخ الکبیر)

علامہ سیوطی نے بھی الشماریخ فی علم التاریخ میں یہی بات نقل کی ہے الشماریخ ص۳ طبع ہند

الغرض اس روایت کو بھی محدثین متقدمین و متاخرین نے شک وشبہ کی نظر سے دیکھا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ دراصل یہ روایت کعب الاحبار سے بواسطہ ابوہریرہ منقول ہے۔ لیکن بعض راویوں سے اس میں تصرف یہ ہوا ہے کہ انہوں نے اسے مرفوع ذکر کر دیا ہے۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ ابن عمرو بن العاص سے مروی ہے:۔ قال صلی اللہ علیه وسلم بعث اللہ جبریل الی آدم وحواء فامرھما ببناء الکعبة فبناہ آدم ثم امر بالطواف به وقیل له انت اول الناس وھذا اول بیت وضع للناس الحدیث حافظ ابن کثیر رح نے اسے ان اول بیت وضع للناس کے تحت ذکر کیا ہے۔ (ص۳۸۳ ج۱) لیکن اس کے مابعد ذکر فرماتے ہیں:۔

انه کما تری من مفردات ابن لھیعة وھو ضعیف والاشبه واللہ

اعلم ان یکون ھذا موقوف علی عبد اللہ بن عمرو ویکون من الزاملتین التین اصابھا الیرموک من کلام اھل الکتاب "

تو اسی طرح یہ روایت دراصل حضرت ابوہریرہ نے حضرت کعب الاحبار سے سنی تھی لیکن بعض راویوں نے اسے مرفوع ذکر کرنے میں غلطی کی ہے۔ واللہ اعلم۔

یہ ہیں وہ روایتیں جو سردست ہماری نظر سے گزری ہیں اور ان پر سلف وخلف سے علماء نے کلام کی ہے۔

عدد مرویات :- علامہ نووی رح صحیح مسلم کی روایات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ "جملہ ما فی صحیح مسلم باسقاط المکرر نحو اربعۃ الاف التقریب" لیکن حافظ ابو الفضل احمد بن سلمہ کا بیان ہے کہ اس میں بارہ ہزار احادیث ہیں، اور حافظ میانجی کہتے ہیں کہ یہ آٹھ ہزار احادیث کا مجموعہ ہے۔ اس کے برعکس ہمارے محترم مولانا ابو الفضل محمد المدنی کے شمار کے مطابق کل ۹۰۸۴ ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں، کہ چار ہزار احادیث اصول کی ہیں اور بارہ ہزار باعتبار ان احادیث کے احصاء کے ہے۔ جو اصل مسلم کی بیاض میں تھیں، لیکن مزید تحقیق و تنقیح سے ۹۰۸۴ رہ گئیں اور آٹھ ہزار کی تعداد اندازہ پر محمول ہوگی واللہ اعلم بالصواب "

کیا صحیح مسلم جامع ہے :- فن حدیث میں جامع اس کتاب کو کہتے ہیں، جس میں عقائد احکام، رقاق، اداب، تفسیر، تاریخ، فتن اور مناقب کے متعلق احادیث ہوں، صحیح مسلم کا تذکرہ کرنے والوں نے اسے جامع کہا ہے، مثلاً شیخ مجد الدین فیروز آبادی نے جب صحیح مسلم کو تین دن میں ختم کیا تو اس پر چند شعر کہے ہیں فرماتے ہیں :-

قرأت بحمد اللہ جامع مسلم بجوف دمشق الشام جوف الاسلام
عن ناصر الدین الامام بن جھبل بحضرۃ حفاظ مشاھیر اعلام
وتم بتوفیق الالہ وفضلہ قراۃ ضبط فی ثلاثۃ ایام

اسی طرح حاجی خلیفہ نے کشف میں اور ملا علی قاری نے مرقات المفاتیح اور نواب صدیق الحسن خاں صاحب نے اتحاف النبلاء میں مسلم کو جامع کے لفظ سے ذکر کیا ہے

لیکن شاہ عبدالعزیز صاحب رحہ نے عجالہ نافعہ میں اس کے جامع ہونے کا انکار کیا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں تفسیری احادیث انتہائی کم ہیں۔
مولانا شبیر احمد عثمانی رحہ نے فتح الملہم ص ۱۰۵ ج ۱ میں اس کی توجیہ کرتے ہوئے لکھا ہے

کہ امام بخاریؒ کی الصحیح میں جو احادیث تفسیری مذکور ہیں وہ زیادہ تر وہ ہیں جو پہلے ابواب میں مذکور ہیں۔ اور ان میں انہوں نے آثار موقوفہ ولغوی اقوال بھی نقل کئے ہیں۔

لیکن امام مسلم رحہ نے تکرار سے احتراز کرتے ہوئے ان کو دوبارہ وسہ بارہ لکھنے سے اجتناب کیا ہے۔ اسی وجہ سے تفسیر سے متعلق حدیثیں باب التفسیر میں نہایت کم ہیں، پھر اگر مانا جائے کہ اس میں واقعۃً کم احادیث ہیں اور اس کے جامع نہ ہونے کا اسی بات کو سبب ٹھہرایا جائے تو پھر جامع سفیان ثوری، جامع ابن عیینہ کو بھی جامع نہیں کہنا چاہیئے۔ کیونکہ ان میں بھی احادیث تفسیر بہت کم ہیں۔ علامہ الکتانی نقل کرتے ہیں :-

ثم جامع سفیان الثوری وجامع سفیان بن عیینہ فی السنن والآثار وشئی من التفسیر الخ (الرسالۃ المستطرفہ)

الغرض جب ان کتابوں کو جامع کہا گیا ہے۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ صحیح مسلم کو جامع نہ کہا جائے واللہ اعلم (فوائد جامع ص ۱۵۷، ۱۵۸)۔

"مقدمہ صحیح مسلم" مذہب کی نگہبانی اگرچہ ایک قدرتی داعیہ ہے، لیکن امت محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو کردار اس میں دکھلایا ہے وہ سابقہ امم میں یکسر مفقود ہے، اسی مذہب کی پاسبانی کے لئے انہوں نے نحو، ادب، صرف، فقہ، اصول فقہ والتفسیر اور دیگر علوم میں خاطر خواہ کمال پیدا کیا، یہ فنون مذہب کے لئے ایک اوزار کی حیثیت رکھتے ہیں یا بالواسطہ مذہبی علوم کے ساتھ متعلق ہیں اور مذہبی علوم میں خصوصاً حدیث چونکہ بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس بنا پر ان میں علم حدیث کے مقدس علم کا خصوصاً چرچا ہوا، اور ایسا ہونا بھی لازمی امر تھا کیونکہ دین کی اساس درحقیقت اسی علم پر موقوف ہے۔ لیکن اس علم کے حصول اور اخذ وادا کے سلسلے میں کچھ ایسے نااہل اور خود غرض افراد بھی نمودار ہوئے، جن کا نقطہ نظر صرف ناموری و شہرت حاصل کرنا تھا، اس بنا پر انہوں نے

اسناد کی یکسر پرواہ نہ کی اور محض کثرت احادیث اور اپنی مرویات کی زیادتی کے چاؤ میں ایسی ایسی روایات بھی بیان کر ڈالیں جو ابتر اور بے اصل تھیں یعنی صحابہ و تابعین کرام سے ان کی کچھ اصل نہ ملتی تھی، امام مسلم رح اپنی الصحیح کے مقدمہ میں اس بات کی نشاندہی کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ رقمطراز ہیں :۔

"ولا احسب کثیرا ممن یعرج من الناس علی ما وصفنا من ھذہ الاحادیث الضعاف والاسانید المجھولة ویعتد بروایتھا بعد معرفته بما فیھا من التوھن والضعف الا ان الذی یحمله علی روایتھا والاعتداد بھا ارادة التکثیر بذلك العوام ولان یقال ما اکثر ما جمع فلان من الحدیث والف من العدد ومن ذھب فی العلم ھذا المذھب وسلك ھذا الطریق فلا نصیب له فیه وکان بان یسمی جاھلا اولی من ان ینسب الی العلم۔ (مقدمہ صفحہ ۵ صحیح مسلم)

جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں محض شہرت کی بنا پر ہر قسم کی رطب و یابس احادیث کو روایت کرنے کا مذاق بڑھ گیا تھا۔ جس سے دین محمدی کی صحیح آبیاری تو درکنار اس کے استحصال کی راہیں ہموار ہوئیں "اعاذنا اللہ من کل بدعة"

امام مسلم رح کی تصریح کے مطابق اس قسم کا دوسرا وہ طبقہ تھا جس نے ضعیف و موضوع روایات بیان کرنے کو اپنا کسب بنا لیا تھا یہ جاہل زاہدوں اور صوفیوں کا گروہ تھا اور محدثین نے اس جلب سے ان کی احادیث اخذ کرنے میں اعتناء تک نہیں کیا چنانچہ امام مسلم خود ہی اپنی سند سے سعید القطان سے نقل کرتے ہیں :۔

" لم نری الصالحین فی شیئ اکذب منھم فی الحدیث" مقدمہ صحیح مسلم ص ۱۳

اس میں زیادہ دخل ان کے اپنے تساہل وغیرہ کو تھا نہ کہ وہ احادیث وضع کیا کرتے تھے امام مسلم رح رقمطراز ہیں :۔

"یجری الکذب علی لسانھم ولا یتعمدون الکذب" مقدمہ ص

اس پر امام موصوف رح نے متعدد صالحین کی امثلہ بیان کی ہیں۔ فارجع الی الاصل اس سب کچھ کے علاوہ ایک اس تحریف و توضیع کا سبب مذہبی عصبیت بھی تھی، اس لئے

اس دور میں فرق ضالہ ومبتدعہ بکثرت سر اٹھائے ہوئے تھے اور انہوں نے اپنا
سچائی اور صفائی کے لئے احادیث وضع کرنا شروع کر دیں، امام صاحب اس پر
ایک مثال رقم فرماتے ہیں :-

"ان عمرو بن عبید حدثنا عن الحسن ان رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم قال من حمل علینا السلاح فلیس منا
قال کذب عمرو ولکنہ اراد ان یحوزھا الی قولہ الخبیث"
(مقدمہ صحیح ص۱۷)

یہ روایت دوسرے طرق سے بے شک صحیح ثابت ہے لیکن عمرو بن عبید نے
اسے غلط طور پر حسن بصریؒ کی طرف منسوب کیا ہے اس لئے عوف بن جمیلہ نے اسے
مردود کہا ہے اور وجہ یہ تھی کہ عمرو معتزلی تھا اور اس روایت سے اسے اپنی تائید
حاصل کرنا مقصود تھی پھر یہی عمرو حدیث میں تخفیف کے ساتھ تبدیلی اور تغیر سے بھی کام
لیا کرتا تھا۔ جس کا ذکر امام مسلمؒ یوں فرماتے ہیں :-

"ان عمرو بن عبید روی عن الحسن قال لا یجلد السکران
من النبیذ فقال کذب انما سمعت من الحسن یقول" الخ
(مقدمہ ص۱۷)

اسی طرح دیگر مبتدعہ فرقے بھی اپنے مذہب کی تائید میں احادیث وضع کیا کرتے
تھے جن میں روافض سر فہرست ہیں اور محدثین اکثر انہی سے نالاں رہے ہیں، ان کا
ذکر کرتے ہوئے امام مسلمؒ فرماتے ہیں :-

"قال قبیصۃ واخوہ انھما سمعا الجراح بن ملیح یقول سمعت
جابر بن یزید یقول عندی سبعون الف حدیث عن ابی جعفر
عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم" (مقدمہ ص۱۵)

فرق مبتدعہ کی ان خصال کے سبب امام مسلمؒ نے ایک عام قانون متعین فرما دیا ہے
کہ اہل بدعت کی روایات نہ لی جائیں، چنانچہ فرماتے ہیں :-

"عن ابن سیرین قال لم یکونوا یسئلون عن الاسناد فلما وقعت
الفتنۃ قالوا سموا لنا رجالکم فینظر الی اہل السنۃ فیوخذ حدیثھم
وینظر الی اہل البدع فلا یوخذ حدیثھم"

اہل بدعت سے روایت نہ لینے کو امام مسلم رح نے اگرچہ عام قرار دیا ہے لیکن دیگر ائمہ اصول اس کے خلاف ہیں۔ علامہ نووی رح نے مقدمہ صحیح مسلم میں اس پر قدرے تفصیل سے لکھا ہے جس کا ملخص یہ ہے کہ اہلِ بدعت سے مُراد وہ بدعتی گروہ ہے جن کے قول وکردار سے کفر ثابت ہوتا ہے، ان سے روایت لینا بالاتفاق ممنوع ہے۔ رہے دوسرے تو ان میں اختلاف ہے۔ جمہور اہلِ اُصول اور ائمہ کا خیال ہے کہ اگر وہ داعی الی البدعت ہو اور اس کی اس بیان کردہ روایت سے اس کے مذہب کی تقویت ہوتی ہے تو پھر اس سے روایت لینا جائز نہیں والا فیجوز (مقدمہ مع شرح نووی رح ص۶)

امام مسلم رح نے جہاں فرق ضالہ کا ذکر کیا ہے وہاں کثرت مرویات پر بھی خامہ فرسائی فرمائی ہے اور اس مرض کے اصل سبب کا ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں۔ امام صاحب کا اس سے یہ مقصد ہے کہ جس کو روایات کے صحت و سقم میں تمیز نہ ہو، اس کے لئے کثرت روایات سے اجتناب بہتر ہے۔ بلکہ وہ اس کو ایک حد تک عام رکھتے ہوئے امام مالک رح سے نقل فرماتے ہیں:۔

"اعلم انہ لیس یسلم رجل حدث بکل ما سمع ولا یکون اماما ابدا وھو یحدث بکل ما سمع" ص۹

مقصد یہ ہے کہ جب ہر مسموع روایت کو وہ بیان کرنے لگے تو اس میں لبا اوقات غلطی کا اندیشہ ہے، اس وجہ سے محدثین کا اعتماد اس پر سے ختم ہو جائے گا اور وہ اس سے روایت لینا بند کر دیں گے، ان امور کے بعد امام صاحب نے معنعن روایت کی بحث شروع کی ہے اور امام صاحب کا مسلک چونکہ یہ ہے کہ صحتِ روایت کے لئے راوی اور مروی عنہ کی معاصرت اور امکان لقاء ہی کافی ہے۔ لہذا انہوں نے اس مقام پر نہایت سختی سے کام لیتے ہوئے اس مسئلہ میں اپنے مخالف محدثین کے مذہب کو باطل قرار دیا اور انہیں "لبعض منتحلی الحدیث من اھل عصرنا" کے الفاظ سے یاد کیا ہے پھر اس پر مستزاد یہ کہ اپنے مدعی پر اجماع کا دعوی بھی کیا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسی صورت میں ارسال کا احتمال باقی رہتا ہے۔ برعکس جبکہ راوی ثقہ اور غیر مدلس ہو اور لقاء بھی ثابت ہو تو اس صورت میں اغلب گمان یہی ہو گا کہ اس نے یہ روایت بلا واسطہ سنی ہے لیکن عدم لقاء کی صورت میں اس قسم کا غلبۂ ظن حاصل نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ جمہور اہل اصول نے امام مسلم رح کے مسلک کو ترجیح نہیں دی ہے۔

صحیح مسلم کی شروح :۔ صحیح مسلم کی شہرت و قبولیت کا اندازہ اس امر سے بھی ہو سکتا ہے کہ اس کی شروح بکثرت لکھی گئی ہیں، بلکہ بعض نے صرف مقدمہ مسلم کی بھی شروح لکھی ہیں۔ شروحِ مسلم کی فہرست درجِ ذیل ہے :۔

(۱) المنہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج :۔ یہ امام محی الدین نوویؒ کی شرح ہے۔ اس کے ابتداء میں ایک قیمتی مقدمہ بھی ہے۔ یہ نہایت مفید شرح ہے، اور کئی مرتبہ طبع ہو چکی ہے۔ علماء و طلبہ کے درمیان متداول ہے۔

(۲) مختصر شرح نوویؒ : یہ مختصر شمس الدین محمد بن یوسف القونوی الحنفی المتوفی ۷۸۸ھ کی ہے۔

(۳) اکمال المعلم فی شرح مسلم :۔ یہ شرح مشہور امام قاضی عیاض مالکی متوفی ۵۴۴ھ کی ہے۔ اور امام نوویؒ کی شرح کا دراصل یہی ماخذ ہے۔

(۴) المعلم بفوائد کتاب مسلم : یہ شرح ابوعبداللہ محمد بن علی المازری المتوفی ۵۳۶ھ کی ہے۔ قاضی عیاضؒ نے اس کی تکمیل اکمال المعلم کے نام سے کی ہے۔

(۵) المفہم لما اشکل من تلخیص کتاب مسلم : یہ ابو العباس احمد بن عمر القرطبی المتوفی ۶۵۶ھ کی شرح ہے۔ اس میں آپ نے صحیح مسلم کی تلخیص و ابواب کو بھی ملحوظ رکھا ہے۔

(۶) اکمال المعلم : یہ امام ابو عبداللہ محمد بن خلیفہ الوستانی المالکی المتوفی ۸۲۷ھ کی شرح ہے جس میں آپ نے قاضی عیاضؒ، امام نوویؒ، امام قرطبیؒ اور امام مازری کی شرح سے مدد لی ہے اور مفید اضافے بھی کئے ہیں۔

(۷) المفہم فی شرح غریب مسلم : صحیح مسلم کے الفاظ غریبہ کی شرح ہے، جو امام عبدالغافر بن اسماعیل المتوفی ۵۲۹ھ کی طرف منسوب ہے۔

(۸) شرح مسلم :۔

یہ عماد الدین عبدالرحمان بن عبد العلی المصری کی شرح ہے۔

(۹) شرح مسلم :

یہ شمس الدین ابو المظفر یوسف بن مراد علی سبط ابن الجوزی المتوفی ۶۵۴ھ کی شرح ہے

(۱۰) " شرح مسلم " یہ علامہ ابوالفرج عیسیٰ بن مسعود م سنہ ۷۴۴ھ کی شرح ہے۔

(۱۱) " الدیباج علی صحیح مسلم بن الحجاج " علامہ سیوطی م سنہ ۹۱۱ھ کی نہایت عمدہ شرح کا نام ہے۔

(۱۲) " وشی الدیباج " علامہ سیوطی کی شرح کا اختصار ہے، علامہ بجوعلی م سنہ ۱۲۹۸ھ نے اسے مرتب کیا ہے۔

(۱۳) شرح صحیح مسلم " یہ شرح امام القاسم اسماعیل بن محمد الانصاری م سنہ ۵۳۵ھ کی ہے۔

(۱۴) شرح صحیح مسلم " اسے شیخ تقی الدین ابوبکر محمد الحصنی الدمشقی م سنہ ۸۲۹ھ نے مرتب کیا ہے۔

(۱۵) منہاج الابتہاج " یہ شیخ شہاب الدین احمد بن محمد الخطیب القسطلانی الشافعی م سنہ ۹۲۳ھ کی شرح ہے جو صرف نصف تک پہنچ سکی ہے، اور ۸ اجزاء میں ہے

(۱۶) شرح صحیح مسلم" ملا علی قاری کی شرح ہے جو کہ چار جلدوں میں ہے۔

(۱۷) شرح صحیح مسلم" علامہ عفیف الدین الکازرونی م سنہ ۷۵۸ھ کی ہے

(۱۸) بغیۃ المسلم " شیخ سلیمان آفندی کی شرح ہے۔

(۱۹) مختصر صحیح مسلم " ابوعبداللہ شرف الدین محمد بن عبداللہ المرسی م سنہ ۶۵۵ھ کی تالیف ہے۔

(۲۰) مختصر زوائد مسلم علی البخاری چار جلدوں میں ہے، حافظ ابن الملقن نے اسے مرتب کیا ہے۔

(۲۱) مختصر صحیح مسلم " علامہ منذری م سنہ ۶۵۶ھ کا اختصار ہے، آپ نے اس میں ابواب کو بھی ملحوظ رکھا ہے۔

(۲۲) شرح مختصر صحیح مسلم" یہ علامہ منذری کے ملخص کی شرح ہے جسے عثمان بن عبدالملک الکرومی م سنہ ۲۳۷ھ نے مرتب کیا ہے۔

(۲۳) شرح مختصر صحیح مسلم " علامہ منذری کے مختصر کی دوسری شرح ہے۔ محمد بن احمد الاسنوی سنہ ۷۶۸ھ کی تالیف ہے۔

(۲۴) اسماء الرجال " ابوبکر احمد بن علی الاصبہانی متوفی سنہ ۴۲۸ھ کی مرتب کردہ ہے

(۲۵) السراج الوھاج " یہ بھی علامہ منذری کے مختصر کی شرح ہے ، اسے حضرت النواب صدیق الحسن خاںؒ نے مرتب فرمایا ہے۔

(۲۶) المخرج علی صحیح مسلم ، لابی الولید حسان بن محمد القرشی الشافعی م ۳۴۹ھ

(۲۷) عنایۃ الملک المنعم " یہ شرح شیخ ابو عبداللہ محمد المدعو بیوسف آفندی کی ہے

(۲۸) المطر الثجاج " مولوی ولی اللہ فرخ آبادی کی تالیف ہے ، حضرت النواب لکھتے ہیں ا۔ لا یخلو عن فائدۃ "

(۲۹) شرح مسلم " شیخ عبدالحق رح کے کسی ایک فرزند نے فارسی میں مرتب فرمائی ہے۔

(۳۰) ترجمہ اردو " یہ ترجمہ مشہور مترجم علامہ وحید الزمان صاحبؒ کا ہے۔

(۳۱) فتح الملہم " یہ شرح مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی رح دیوبندی کی تالیف ہے ابتداء میں ایک مفید مقدمہ ہے ، اور اکثر مباحث شرح نووی رح اور فتح الباری سے ماخوذ ہیں ا۔

(۳۲) شرح صحیح مسلم " یہ علامہ سندھی رح کی شرح ہے جو علیحدہ مطبوع ہے۔

(۳۳) تخریج صحیح مسلم ، " یہ ابوجعفر احمد بن حمدان بن علی النیسابوری م ۳۱۱ھ کی تخریج ہے۔

(۳۴) مسند الصحیح ابوبکر بن محمد بن محمد رجاء نیسابوری الاسفرائنی م ۲۸۶ھ کی تخریج علی الصحیح۔

(۳۵) تخریج صحیح مسلم " ابونصر محمد بن محمد الطوسی الشافعی م ۳۴۴ھ کی تخریج ہے۔

(۳۶) مختصر المسند الصحیح علی مسلم " یہ حافظ ابو عوانہ الاسفرائنی م ۳۱۶ھ کی تالیف ہے

(۳۷) تخریج علی الصحیح " ابو حامد احمد بن محمد اشاذکونی الشافعی م ۳۰۵ھ کی تالیف ہے۔

(۳۸) مسند الصحیح " یہ سند حافظ ابوبکر محمد بن عبد الجوزقی النیسابوری م ۳۸۸ھ کی مرتب کردہ ہے۔

(۳۹) المسند المستخرج " یہ تخریج حافظ ابونعیم الاصبھانی م ۴۳۰ھ کی ہے (مقدمہ ص ، نووی)

(۴۰) تخریج صحیح مسلم ، " حافظ ابوعلی حسین بن محمد الماسرجسی النیسابوری م ۳۶۵ھ کی (تذکرۃ الحفاظ)۔

(تنبیہ) حاجی خلیفہ رح نے کشف میں صحیح مسلم کی دس مختصرات کا ذکر کیا ہے۔

امام ابوعبدالرحمٰن نسائی

سنہ ۲۱۴ھ یا سنہ ۲۱۵ھ ... متوفی ۳۰۳ھ

نام ونسب:- آپ کا نام احمد اور ابوعبدالرحمٰن کنیت تھی۔ سلسلہ نسب یہ ہے، احمد بن شعیب بن علی بن سنان بن بحر بن دینار بن نسائی الخراسانی[1] لیکن بعض نے احمد بن علی بن شعیب نام ذکر کیا ہے[2] یہ درست نہیں اس کے برعکس صحیح وہی ہے جسے اکثر اصحاب الطبقات اور مورخین نے نقل کیا ہے۔

پیدائش:- اصحاب الطبقات اور مورخین نے آپ کے سن پیدائش میں اختلاف کیا ہے۔ بعض نے سنہ ۲۱۴ھ اور بعض نے سنہ ۲۱۵ھ بیان کیا ہے[3] اور بعض نے سنہ ۲۲۵ھ بھی ذکر کیا ہے[4]۔ جیسا کہ مولانا ضیاء الدین صاحب نے شذرات اور حسن المحاضرہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ لیکن شذرات کا حوالہ دینا درست نہیں، کیونکہ علامہ ابن العماد نے امام نسائی رح کی وفات سنہ ۳۰۳ھ ذکر کرتے ہوئے کہا ہے "وله ثمان وثمانون سنة" اس لحاظ سے ان پیدائش سنہ ۲۲۵ھ میں کسی صورت میں بھی نہیں بنتی۔

محدث مبارکپوری رح نے امام نسائی رح سے نقل کیا ہے:-

"يشبه ان يكون مولدى فى سنة ۲۱۵ هج[5]"

جس سے سنہ ۲۱۴ھ یا سنہ ۲۱۵ھ کا تردد بھی ختم ہو جاتا ہے، غالباً لفظ یشبہ ہی سے بعض نے ان کی پیدائش سنہ ۲۱۴ھ میں بتائی ہے۔ واللہ اعلم۔

وطن:- امام نسائی رح نے اگرچہ بعد میں مستقل سکونت مصر ہی میں اختیار کر لی تھی، لیکن آپ کی پیدائش خراسان کے مشہور شہر "نساء" میں ہوئی۔ جو حرف نون

---

[1] التذکرہ ص ۲۴۱/۲ طبقات الشافعیہ ص ۸۳/۲ وغیرہ [2] بستان ص ۱۹۷ [3] البدایہ ص ۱۲۳ وفیات الاعیان ۱۲ [3] بستان، البدایہ، التذکرہ، التہذیب، طبقات، شافعیہ [illegible] [4] [illegible] ص ۲۶۲ [5] شذرات ص ۲۳۹/۲ [6] مقدمہ تحفہ ص ۷۵

اور سین کی فتح کے ساتھ اور ہمزہ مقصورہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ اور کبھی عرب لوگ اس ہمزہ کو واؤ بدل کر نسبت کرتے وقت "نسوی" بھی کہا کرتے ہیں۔ اور قیاس بھی یہی چاہتا ہے۔ لیکن مشہور نسائی ہے۔ (بستان)

رحلت وسفر:۔ امام نسائی رح کی ابتدائی تعلیم کا پتہ نہیں چل سکا، صرف آپ کے طلب حدیث کے لئے دور دراز کے اسفار کے تذکرے ملتے ہیں۔ جن میں حجاز، عراق، شام، جزائر اور خراسان شامل ہیں، آپ کا پہلا سفر خراسان کی طرف تھا، وہاں کے مشائخ سے استفادہ کے بعد بغداد کو شرف ورود بخشا، وہاں امام قتیبہ کے پاس ایک سال دو ماہ رہے۔ لیکن اس رحلت کے سن میں اختلاف ہے، محدث مبارکپوری امام نسائی رح سے نقل فرماتے ہیں:۔

ان رحلتی الاولی الی قتیبه کانت فی سنة خمس ۳۵ وثلاثین[1]

علامہ سبکی طبقات شافعیہ میں لکھتے ہیں:۔

رحل الی قتیبه وهو ابن خمسه عشره سنة[2]

حافظ ابن کثیر آپ کی رحلت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔ (البدایہ ص۱۲۳)

"رحل الی الآفاق واشتغل بسماع الحدیث والاجتماع بالائمة الحذاق"۔ البدایہ ص۱۲۳ ج۱۱۔

اساتذہ کے اوطان سے اسفار کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، اور ان کے طبقات سے کچھ ترتیب بھی قائم کی جا سکتی ہے۔

شیوخ:۔ امام نسائی کو جن مشائخ سے استفادہ کا موقعہ میسر ہوا ہے، ان میں امام محمد بن اسمٰعیل بخاری، امام ابوداؤد، امام احمد و ابنہ عبداللہ، الحارث بن مسکین، محمد بن عبدالاعلی، علی بن خشرم، ابراہیم بن یعقوب الجوزجانی، احمد بن بکار، عمرو بن زرارہ، محمد بن بشار، عمرو بن الفلاس، یعقوب بن ابراہیم الدورقی، عبداللہ بن سعید الکندی، عباس بن عبدالعظیم العنبری، محمد بن المثنیٰ، زیاد بن یحیی الحسانی، اسحٰق بن راہویہ، قتیبہ بن سعید، علی بن حجر، ہشام بن عمار خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

تلامذہ:۔ امام نسائی کے حلقہ درس میں شریک ہونے والے اصحاب کو "امامت" کے

---

[1] مقدمہ تحفہ ص۷۶ و مقدمہ نسائی ص۲۱ [2] طبقات الشافعیہ ص۸۳ التذکرہ ص۲۶۹

سے ممتاز لقب کا شرف حاصل ہوا ہے۔ آپ کے مشہور تلامذہ میں (۱) ابوالقاسم طبرانی، (۲) حافظ ابوعوانہ (۳) امام ابوجعفر طحاوی (۴) امام ابوبشر الدولابی (۵) امام ابوجعفر عقیلی (۶) امام ابراہیم بن محمد بن صالح (۷) ابوعلی حسین بن محمد نیشاپوری (۸) حمزہ بن محمد الکنانی (۹) محمد بن عبداللہ بن حیویہ (۱۰) حسن بن الخضر السیوطی (۱۱) ابوبکر السنی، (۱۲) ابوبکر الحداد الفقیہ وغیرہم خاص نمایاں ہیں۔

مؤخر الذکر ابوبکر ابن الحداد المعری ایسے شخص ہیں، جنہوں نے امام نسائی رح کے علاوہ کسی اور سے روایت نہیں کی امام دارقطنی رح فرماتے ہیں۔

کان ابن الحداد کثیر الحدیث و لم یحدث عن غیر النسائی وقال جعلتہ حجۃ بینی و بین اللہ تعالیٰ "(طبقات الشافعیہ ص۱۱۳ ج۲، التذکرہ ص۲۴۳، البدایہ ص۱۲۳)

علامہ سبکی رح نے ۲ صفحات میں ابن الحداد کا ترجمہ پھیلایا ہے۔

حفظ و اتقان:- قدرت نے امام نسائی رح کو غیر معمولی قوت حفظ سے نوازا تھا۔ یہاں تک کہ علامہ ذہبی رح نے انہیں امام مسلم رح سے احفظ کہا ہے۔ علامہ سبکی لکھتے ہیں:-

"سألت شیخنا ابا عبداللہ الذہبی الحافظ وسألتہ ایہما احفظ مسلم بن الحجاج صاحب الصحیح او النسائی فقال النسائی" (طبقات الشافعیہ ص۸۴ ج۲)

علامہ سیوطی رح نے آپ کو ان الفاظ سے خراج تحسین پیش کیا ہے۔

الحافظ احد الحفاظ المتقنین "حسن المحاضرہ ص۱۳۹ ج۱) تذکرۃ المحدثین ص۲۷۷

ابن یونس فرماتے ہیں:-

کان النسائی اماما فی الحدیث ثقۃ ثبتا حافظا" (بدایہ ص۱۲۳)

اصحاب علم و کمال نے آپ کے علم کا اعتراف کیا ہے۔ اور آپ کو مسلمانوں کا مقتدی و امام تسلیم کیا ہے۔ امام دارقطنی رقمطراز ہیں:-

ابوعبدالرحمن مقدم علی کل من یذکر بہذا العلم من اہل عصرہ۔ (التذکرہ، البدایہ، التہذیب، طبقات الشافعیۃ)

حافظ ابوعلی فرماتے ہیں:-

"ھو الامام فی الحدیث بلا مدافعۃ"

امام حاکم مامون مصری سے نقل کرتے ہیں :-

خرجنا مع ابی عبد الرحمن الی طرسوس سنة للغداء[1] فاجتمع جماعة من مشائخ الاسلام واجتمع من الحفاظ عبد اللہ بن احمد بن حنبل ومحمد بن ابراهیم مربع ابو الاذان وکلیجة وغیرهم فتشاوروا من ینتقی[2] لهم علی الشیوخ فاجتمعوا علی ابی عبد الرحمن النسائی وکتبوا کلهم بانتخابه (معرفت علوم الحدیث ص۸۲)

ابن عدی کا بیان ہے کہ میں نے منصور فقیہ اور احمد بن محمد طحاوی سے سنا کہ وہ مسلمانوں میں سے یکتا ہیں۔ الغرض امام موصوف کے کمال وفضل کا اعتراف جملہ محدثین اور اصحاب الطبقات کے ہاں مسلم ہے۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں :-

"وکذالك اثنی علیه غیر واحد من الائمه وشهدوا له بالفضل والتقدم فی هذا الشان (البدایہ ص۱۲۳ ج۱۱)۔ علامہ ذہبی فرماتے ہیں

هو احذق بالحدیث وعلله ورجاله من مسلم والترمذی وابی داؤد وهو جار فی مضمار البخاری وابی زرعه (توضیح الافکار از امیر یمانی ص۲۲۲ ج۱)

امام نسائی شیعہ تھے ؟ :-

عام مورخین نے اس الزام کا ذکر نہیں کیا، البتہ ابن خلکان نے سب سے پہلے یہ لکھا ہے کہ جب شام میں امام نسائی رح سے حضرت امیر معاویہ کے مناقب کا سوال ہوا تو انہوں نے فرمایا :-

ما اعرف له فضیلة الا لا اشبع اللہ بطنه وکان یتشیع فما زالوا یدفعون حتی اخرجوا من المسجد۔ وفیات ص۳۵ شذرات الذهب ص۲۴۰

حافظ ابن کثیر رح نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے :-

وقد قیل عنه انه کان ینسب الی شئ من التشیع" (البدایہ ص۱۲۴ ج۱۱)

ان کے علاوہ بھی مورخین نے یہ واقعہ ذکر کیا ہے۔ لیکن اس سے آپ کو شیعہ سمجھنا دور کی بات ہی نہیں، ایک بہت بڑی جسارت بھی ہے۔ جب کہ اس کا کوئی بین ثبوت نہیں ملتا، یہی وجہ ہے کہ ابن کثیر رح نے اس واقعہ کو صیغہ تمریض کے ساتھ ذکر کیا ہے، اور

[1] بالاصل "الفداء" محرفا عن "الغداء"۔ [2] بالاصل "ینتقی" کذا کما قال الاستاذ الدکتور السید معظم حسین فی تعلیقه علی معرفة علوم الحدیث ص

ابن خلکان کے الفاظ بھی "کان یتشیع" ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ الفاظ اپنے مفہوم کو شیعت کی طرف امام صاحب کے میلان یا اثر سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ نہیں کہ آپ شیعہ تھے۔ لیکن اگر اہل بیت خصوصاً حضرت علی کی محبت و عقیدت موجب تشیع ہے۔ تو یہ الزام کوئی انوکھا نہیں ہے۔ متعدد کبار محدثین بھی اس میں شامل ہیں، جن میں الاعمش، لقمان بن ثابت، شعبہ بن الحجاج، عبدالرزاق، عبیداللہ بن موسٰی، عبدالرحمان بن ابی حاتم (میزان ترجمہ ابن ابی حاتم) وابراہیم النخعی (شذرات ص۱۱۱) وغیرہم سرفہرست ہیں، حالانکہ خود شیعہ حضرات نے ان کی شیعیت کا کوئی ذکر نہیں کیا، اس مقام پر امام شافعیؒ کا شعر موزوں رہے گا۔ فرماتے ہیں:۔

ان کان رفضاً حب اٰل محمد " فلیشهد الثقلان انی رافض۔

درحقیقت بات یہ ہے کہ امام نسائی رحؒ نے جب حضرت علی رضؓ عنہ کے مناقب بیان کئے تو وہاں کے غالیوں نے نہ صرف انہیں مارا بلکہ ان پر تشیع کا الزام بھی لگایا۔ شاہ عبدالعزیزؒ صاحب کے بیان سے اس کی قطعی تائید ہوتی ہے، چنانچہ وہ اس واقعہ کا تذکرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ کلمہ بھی کہا تھا کہ مجھے ان کے مناقب میں سوائے حدیث "لا اشبع اللہ بطنہ" کے اور کوئی صحیح حدیث نہیں ملی، پھر کیا تھا لوگ ان پر ٹوٹ پڑے، اور شیعہ شیعہ کہہ کر مارنا پیٹنا شروع کر دیا۔

(بستان ص۱۹۸ مترجم)

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس الزام کا آغاز بنو امیہ کے اس مرکز سے ہوا جو حضرت علی کے مقابلہ میں حضرت معاویہ کے حامی تھے، اس سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نظر نہیں آتی۔ رہی بات حضرت امیر معاویہ کے مناقب کی تو اس کی متعدد توجیہات ہو سکتی ہیں۔

(۱) امام نسائی رحؒ کے پاس امیر معاویہ کے مناقب میں بسند صحیح کوئی روایت نہ ہوگی لیکن لوگوں کے اصرار پر غصہ کی حالت میں یہ الفاظ نکل گئے ہوں گے، جن کا کوئی اعتبار نہیں۔

(۲) امام نسائی کو چونکہ حضرت علی سے خاصی عقیدت تھی، اس لئے انہوں نے اُن

کے مناقب پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ اس میں عقیدت کا اظہار آخری حد تک معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ آپ کے اس قول سے مترشح ہوتا ہے جو ابھی ہم بیان کر چکے ہیں۔

(۳) چونکہ اہل شام حضرت معاویہؓ کی شان میں غلو کرتے تھے۔ بنا بریں جب امام نسائی نے دیکھا کہ اس کا اصل سبب فرط عقیدت ہے، تو آپ نے اسے کم کرنے کے لئے مذکورہ باتیں کہیں اور دراصل آپ کا ارادہ امیر معاویہ کی مذمت کرنا نہ تھا۔ بلکہ ان کے مقابلہ میں حضرت علی کے مناقب و فضائل کا اثبات کر کے اعتدال کی راہ اختیار کرنا مقصود تھا۔ واللہ اعلم۔

پھر اس الزام کی تردید اس بات سے بھی ہوتی ہے، آپ نے صرف حضرت علیؓ کے خصائص کو جمع کرنے پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ دوسرے صحابہ کرام کے مناقب کو بھی علیحدہ علیحدہ جمع کیا ہے، البتہ حضرت علی کے خصائص بیان کرنے میں کچھ زیادہ حصہ لیا ہے، جس کا سبب وہ خود بیان فرماتے ہیں، چنانچہ علامہ ذہبیؒ امام نسائیؒ کے شاگرد رشید محمد بن موسیٰ المامونی سے نقل کرتے ہیں:-

سمعت قوما ینکرون علی ابی عبد الرحمن کتاب الخصائص لعلی رضی اللہ عنہ وترکہ تصنیف فضائل الشیخین فذکرت لہ ذالک وقال دخلت دمشق والمنحرف عن علی بہا کثیر فصنفت کتاب الخصائص رجوت ان یہدیہم اللہ ثم انہ صنف بعد ذالک فضائل الصحابہ (التذکرہ ص ۲۴۲/۲)

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کتاب خصائص کے متعلق فرماتے ہیں:-

ان کتاب الخصائص یشتمل علی ضعاف الروایات بل موضوعاتہا فان غرضہ کان الجمع فقط لا المنقد علیہا (المنہاج ص ۱۱۹، ۱۹۴/۴ ج)۔

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ تشیع کا لفظ متقدمین کے ہاں حضرت علی کو حضرت عثمان پر فضیلت دینے اور بعض عقائد میں ان کو مصیب قرار دینے پر بولا جاتا ہے، اور متاخرین میں رفض پر جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے (التہذیب ص ۹۴) اور شیخ الاسلام نے (المنہاج ص ۹۹) میں تصریح کی ہے، بنا بریں امام نسائی پر کسی صورت میں بھی تشیع کا

الزام درست نہیں ہے۔ کیونکہ ان سے یہ کہیں منقول نہیں کہ حضرت علی حضرت عثمان سے افضل تھے۔ مزید یہ کہ روافض تو شیخین سے خدا واسطے کا بیر رکھتے ہیں، لیکن امام نسائیؒ ہیں کہ اپنی سنن میں شیخین کے اقوال کو جا بجا محبت سے بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ "باب بیع السلم فی الطعام" دیکھئے ایک جگہ فرماتے ہیں۔ ابوبکر و عمرؓ نے یہ فیصلہ کیا اور اس کے ساتھ ہی آئندہ صفحہ پر فرماتے ہیں، ابوبکر و عمر و عثمان نے یہ فیصلہ کیا (تذکرۃ المحدثین صفحہ ۲۸)

پھر باب امامۃ اہل العلم والفضل میں تو اس کا خاتمہ ہی ہو جاتا ہے، جس میں آپ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی امامت کی مشہور روایت نقل کرتے ہیں، جس کے آخری لفظ ہیں کہ ہم ابوبکر پر اپنے کو ترجیح دینے سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں، تو کیا ایسے صریح و صحیح استشہاد کے ہوتے بھی آپ کی طرف تشیع کی نسبت کی جا سکتی ہے۔

ورع و تقویٰ:- امام نسائیؒ کی عملی زندگی کا اندازہ محمد بن المظفر کے اس قول سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے جسے علامہ ذہبیؒ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے

"سمعت شائخنا بمصر یصفون اجتھادہ النسائی فی العبادۃ باللیل والنھار وانہ خرج الی الغزو مع امیر مصر فوصف فی شھامتہ واقامتہ السنن الماثورۃ فی فداء المسلمین واحترازہ عن مجالس السلطان الذی خرج معہ (التذکرہ)

ابن اثیر جامع الاصول میں فرماتے ہیں کہ امام نسائیؒ کے ورع و تقویٰ پر اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ اپنے استاد حارث بن مسکین سے انہوں نے جس حالت میں سماع کیا اس کو اسی انداز "یعنی قرأۃ علیہ" وانا اسمع" سے بیان کیا، دیگر مشائخ سے اخذ کردہ روایات کی طرح حدثنا واخبرنا کے الفاظ استعمال نہیں کئے، اس کے بعد حافظ ابن اثیر نے اس کی دو وجہیں بیان کی ہیں، کہ امام نسائیؒ اور امام الحارثؒ کے درمیان ناراضگی تھی، اور دوسری یہ کہ ان کو شبہ ہوا تھا کہ شاید یہ بادشاہ کا جاسوس ہے، کیونکہ ان کے سر پر بڑی ٹوپی اور بدن پر طویل جبہ تھا، جس کی وجہ سے انہوں نے آپ کو اپنی مجلس میں نہ حاضر ہونے دیا۔ زبان زد عام اگرچہ یہی ہے، جو ابن اثیر نے نقل کیا ہے۔ اس سے گو ہمیں من وجہ اتفاق ہے تاہم یہ محل نظر ہے، کیونکہ الحارث

بن مسکین سے ان لفظوں سے روایت کرنے میں صرف امام نسائی منفرد نہیں ہیں، بلکہ امام ابوداؤد بھی ان سے انہی الفاظ سے روایت کرتے ہیں۔ چنانچہ کتاب الطب کے آخری ابواب میں اور کتاب السنہ کے باب (فزاری المشرکین) میں امام ابوداؤد رح نے بھی قرئ علی الحارث بن مسکین کے الفاظ سے روایت کی ہے تو کیا انہیں بھی جاسوس قرار دینگے یا استاد و شاگرد میں منافرت کا سبب قرار دیں گے؟

چنانچہ صحیح وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان کی مجلس میں پڑھنے والا ان کا ایک ہی شاگرد ہوتا تھا۔ بنا بریں دیگر تلانذہ قرئ علی الحارث بن مسکین کے الفاظ سے روایت بیان کرتے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

عادات وازواج واولاد:- امام صاحب کی چار بیویاں اور ۲ لونڈیاں تھیں، لیکن افسوس مؤرخین نے ان کی اولاد کا کوئی تذکرہ نہیں کیا، البتہ حافظ ابن حجر رح نے آپ کے تلانذہ میں آپ کے بیٹے عبدالکریم نامی کا ذکر کیا ہے۔ آپ بڑے خوش پوش اور اعلیٰ خوراک کے دلدادہ تھے، تذکرہ نویسوں نے بیان کیا ہے کہ آپ روزانہ ایک مرغ کھاتے اور اس کے بعد نبیذ پیتے۔ جس سے آپ کی معاشی ومعاشرتی زندگی کا نمایاں ہونا واضح ہوتا ہے۔ ابن العماد کے بیان کے مطابق وہ نہایت شریف، رئیس، اور عظیم المرتبت شخصیت کے حامل تھے (ص۴۵)

تصانیف:- امام صاحب کی جن تصانیف کا ہمیں علم ہو سکا ہے وہ ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

(۱) خصائص علی (۲) فضائل صحابہ (۳) مسند علی
(۴) مسند مالک (۵) کتاب التمیز (۶) کتاب المدلسین
(۷) کتاب الضعفاء والمشرکین (۸) کتاب الاخوہ (۹) مسند منصور بن رازان

۱،۲ التذکرہ وطبقات ۳،۴ کشف الظنون ۵،۶ مفتاح السنہ ص۱۵۱،۳ ۷ مقدمہ طبع سلفیہ ۸ جامع الاصول ص۱۱۶ ۹ بستان ص۱۹۷ مترجم ۱۰ التذکرہ والبدایہ ج۱۱ ص۱۲۳ " کتاب الضعفاء ۱۲۲۵ھ میں ہندوستان سے مطبع انوار احمدی سے کتاب الضعفاء امام بخاری امام مسلم کی کتاب المنفردات اور ابن ابی حاتم کی مراسیل کے ساتھ طبع ہوئی ہے

(۱۰) مشیخۃ النسائی (۱۱) ما اغرب شعبۃ علی سفیان وسفیان علی شعبہ

(۱۲) اسماء الرواۃ (۱۳) مناسک حج

اس کا ذکر کرتے ہوئے علامہ جزری لکھتے ہیں :۔

ولہ مناسک الفہا علی مذہب الشافعی (۱۴) کتاب الجرح والتعدیل

اس کا ذکر حافظ رح نے لسان میں متعدد مقامات پر کیا ہے ملاحظہ ہو ۲۷۳، ۴۱۵، ۲۲۲)

اور یہ کتاب کتاب الضعفاء سے علیحدہ ہے، چنانچہ موصوف غالب بن عبید اللہ

کے ترجمہ میں لکھتے ہیں :۔ قال النسائی فی الجرح والتعدیل لیس بثقۃ ولا یکتب

وقال فی الضعفاء متروک الحدیث (۱۵) السنن الکبریٰ (۱۶) السنن الصغریٰ المسمی بہ المجتبیٰ۔

(المجتبیٰ کی وجہ تسمیہ) امام صاحب کی جملہ تصانیف میں سب سے مشہور یہی المجتبیٰ

ہے ۔ اصحاب شروح و حواشی جب کبھی اخرجہ النسائی کہتے ہیں تو یہی مراد ہوتی ہے

اور اسے المجتبیٰ بھی کہا جاتا ہے ۔ جب امام صاحب سنن کبریٰ کی تصنیف سے فارغ

ہوئے تو امیر رملہ نے دریافت کیا کہ آپ کی یہ تصنیف تمام تر صحیح ہے تو آپ نے

فرمایا نہیں اس میں صحیح اور حسن دونوں قسمیں موجود ہیں ۔ اس امیر نے عرض کی کہ ان تمام

احادیث میں جو صحت کے اعلیٰ درجے تک پہنچتی ہیں ان کو علیحدہ ایک مجموعہ کی شکل میں

میرے لئے منتخب فرما دیجئے تو آپ نے المجتبیٰ جمع کی ۔ (بستان ص۱۹۷ المترجم)

سنن کے رواۃ اور مرویات سنن :۔ سنن صغریٰ المسمی بہ المجتبیٰ جسے امام نسائی نے امیر رملہ کے کہنے پر مرتب

کیا تھا ۔ اس میں کل ۵۷۶۱ احادیث ہیں ۔ اور اس سے سنن الکبریٰ کی ضخامت

کا اندازہ ہو جاتا ہے ۔ سید جمال الدین فرماتے ہیں ۔

وھو کتاب جلیل لم یکتب مثلہ فی جمع طرق الحدیث

وبیان مخرجہ وبعدہ اختصرہ الخ (مقدمہ تحفہ ص۴۲)

محدث مبارک پوری کی تصریح کے مطابق اس کا قلمی نسخہ جرمنی کے کتب خانہ

میں موجود ہے ۔ السنن الکبریٰ کے راوی ابن الاحمر ابوبکر محمد بن معاویہ ۳۵۸ھ ہیں

اور سنن صغریٰ کے راوی ابن السنی ابوبکر احمد بن محمد ۳۶۴ھ حافظ ابن حجر رح نے ان

دونوں کے علاوہ سنن کے رواۃ میں عبدالکریم ابن امام نسائی، ابو علی الحسن بن الخضر

السیوطی، الحسن بن رشیق العسکری، ابو حمزہ بن محمد بن علی الحافظ ابو الحسن محمد بن عبداللہ بن ذکریا ابن جبعدۃ، محمد بن قاسم الاندلسی، علی بن ابی جعفر الطحاوی، ابو بکر احمد بن محمد بن المہندس کا بھی ذکر کیا ہے۔ (التہذیب ص ۳۷ ج ۱)۔

امام نسائیؒ کی تصنیف جو بروایت ابن السنی منقول ہے اس پر تذکرہ نویسوں نے امیر رملہ کے واقعہ کو دلیل بنایا ہے، لیکن علامہ ذہبی اس واقعہ کی تغلیط کے ساتھ اس کتاب کو ابن السنی کی تصنیف قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ اعلام النبلاء میں فرماتے ہیں:۔

ان هذه الرواية لم تصح بل المجتبى اختصار ابن السنى تلميذ النسائي (تدريب الراوی ص ۲۲۱ ج ۱۵)

سنن نسائی کی اہمیت :-

کتب اصول میں جن کتب کو شمار کیا گیا ہے، ان میں سنن نسائی بھی خاص اہمیت کی حامل ہے اس کو ابو داؤد اور ترمذی کے بعد بیان کیا جاتا ہے۔ لیکن بعض مغاربہ نے اسے صحیح بخاری سے بھی اہمیت دی ہے، چنانچہ علامہ سخاوی (فتح المغیث) میں رقمطراز ہیں:۔

(۱) صرح بعض المغاربة بتفضيل كتاب النسائي على البخاری (ابن ماجہ اور علم حدیث ص ۲۱۸)

اس پر مزید ابن الاحمر نے اپنے بعض کئی شیوخ سے نقل کیا ہے:۔

(۲) انه اشرف المصنفات كلها وما وضع في الاسلام مثله۔

علامہ سیوطیؒ اس کی صحت کے متعلق امام نسائیؒ سے نقل کرتے ہیں:۔

(۳) قال النسائي كتاب السنن كله صحيح وبعضه معلول الا انه لم يبين علته والمنتخب المسمى بالمجتبى صحيح كله "مقدمہ زہر الربی"

علامہ سیوطیؒ نے یہ قول ابن الاحمر کے واسطہ سے نقل کیا ہے، اس کے علاوہ ابو علی النیساپوری، ابن احمد ابن عدی، ابو الحسن الدارقطنی، ابو عبداللہ الحاکم، ابن مندہ، عبدالغنی بن سعید، ابو یعلی الخلیلی، ابو علی بن السکن، ابو بکر الخطیب، ابو بکر السنی، ابو طاہر السلفی وغیرہم نے سنن پر صحت کا اطلاق کیا ہے (مقدمہ زہر الربی)۔

اور یہ اطلاق باعتبار کثرت صحیح روایات کے ہے، جیسا کہ حافظ ابن کثیر (الباعث الحثیث) اور علامہ زرکشی (النکت علی ابن الصلاح) میں لکھتے ہیں:۔

" تسمية الكتب الثلاثة صحاحا اما باعتبار الاغلب لان غالبها الصحاح والحسان وهي ملحقة بالصحاح والضعيف منها بما التحق۔

الملتحق بالحسن فاطلاق الصحة عليها من باب التغليب انتهى (مقدمہ زہر الربی)

اسی طرح حافظ ابن سید الناس شرح ترمذی میں ابو طاہر سلفی کے اس بیان قد اتفق علی صحتہا علماء الشرق پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

"هذا محمول منه علی مالم یصرح بضعفه فیها مخرجه او غیره"

حافظ ابن الصلاح فرماتے ہیں :۔

"هذا تساهل لان فيها ما صرحوا بکونه ضعيفا او منكرا او نحو ذالك من اوصاف الضعيف"۔

اسی طرح علامہ الجزائری فرماتے ہیں کہ السلفی کا یہ قول بایں وجہ صحیح ہے کہ اس میں دوسری کتابوں کی نسبت ضعیف احادیث کم ہیں :۔

لاسيما النسائی فانها اقلها بعد الصحيحين حديثا ضعيفا (توجیہ النظر صفحہ ۱۵۲)

ان جملہ دلائل سے یہ ثابت ہوا کہ صحیحین کے علاوہ دیگر کتب پر صحت کا اطلاق باعتبار قلت ضعف کے ہوا ہے۔ اور اہل مغارب کی تفضیل باعتبار حسن ترتیب اور جامعیت کے ہے۔ ابن رشید رقمطراز ہیں :۔

"انه ابدع الکتب المصنفة فی السنن تصنیفا و احسنها ترصیفا وهو جامع بین طریقتی البخاری و مسلم مع حظ کثیر من بیان العلل"

ابن رشید نے امام بخاری و مسلم کے جن طریقوں کی جامعیت کی طرف اشارہ کیا ہے گو اس بات کو علامہ سیوطی نے بیان نہیں کیا۔ تاہم معلوم ہوتا ہے کہ یہ جامعیت باعتبار فقیہانہ و محدثانہ انداز کے ہے جو کہ اول امام بخاری میں اور ثانی امام مسلم میں بکثرت موجود ہے، محدثانہ انداز تو احادیث کی تحویل اسناد سے اور استنباط کثرت الواب سے واضح ہے۔ علامہ محمد منیر الدمشقی السلفی نموذج الاعمال الخیریہ میں فرماتے ہیں :۔

وقد امتازت هذه السنن عن غيرها بكثرة التبويب ودقة الاستنباط" (نموذج ص۶۳۶)

علامہ ذہبی کی طرف سے امیر رملی کے واقعہ کی تردید پہلے گزر چکی ہے۔

تنبیہ :۔ اس کی تائید باب النفح ص ۱۹/۱ ط سلفیہ سے بھی ہوتی ہے جس میں ہے

"وقال الشیخ ابن السنی الحکم هو ابن السفیان الثقفی"

اسی طرح باب صلوٰۃ الخوف ص۱۸۴ میں ہے :-

قال ابو بکر السنی الزهری سمع من ابن عمر حدیثین ولم یسمع منه

لیکن صاحب الیانع الجنی" فرماتے ہیں کہ صرف اس قسم کے احتمال سے جملہ اصحاب الطبقات والرجال کی تردید کیسے کی جا سکتی ہے۔ جب کہ یہ امکان ہے کہ ابن السنی نے امام نسائی رح کی معاونت کی ہو، یا ان ہی کے حکم سے یہ اختصار کیا ہو۔ رہا سنن میں ابن السنی کا ذکر تو یہ بعید نہیں، صحیحین اور سنن ابن ماجہ میں نساخ سے اس قسم کا تصرف ملتا ہے تو اسے بھی اسی پر محمول کیا جائے گا۔ واللہ اعلم۔

مقام تعجب یہ ہے کہ مولانا عبدالرشید صاحب نعمانی نے ابن ماجہ وعلم حدیث میں اولاً تو المجتبیٰ کو ابن السنی کا اختصار قرار دیا ہے ثانیاً امام نسائی رح سے یہ بھی نقل کیا ہے :-

"کتاب السنن صحیح کلہ" جب موصوف کے ہاں امام نسائی کا یہ قول مسلم ہے تو پھر اسے ابن السنی کا اختصار قرار دینا کیونکر درست ہوگا؟

خصوصیات :- خصوصیات سنن نسائی میں جو چیزیں ہمیں نمایاں طور پر نظر آتی ہیں وہ درج ذیل ہیں :-

(۱) حسن ترتیب، چنانچہ ابن رشید کا قول پہلے گزر چکا ہے کہ یہ تصنیف و ترتیب کے لحاظ سے بہتر اور عمدہ ہے۔

(۲) متعدد مسائل کو ثابت کرنے کے لئے ایک روایت کو کئی جگہوں میں ذکر کرتے ہیں جیسا کہ امام بخاری رح کا طریقہ ہے۔

(۳) احادیث کے طرق کی خوب وضاحت کرتے ہیں اور اختلاف الفاظ کو ملحوظ رکھتے ہیں، جیسا کہ امام مسلم کا انداز ہے۔

(۴) بسا اوقات علل حدیث پر بھی گفتگو فرماتے ہیں اور آپ کو علل حدیث میں غیر معمولی ملکہ حاصل تھا، حافظ ذہبی رح نے آپ کو اس فن میں امام بخاری، امام ابوزرعہ کا ہمسر قرار دیا ہے۔

(۵) کبھی کبھی رواۃ کے اسماء والقاب اور کنیتوں کے ابہام کی وضاحت راویوں

کے تفرد و اختلاف، متابعت و عدم متابعت کا بیان سماع و عدم سماع کا ذکر۔ حدیث کے مرسل، متصل، ضعیف و منکر کی نشاندہی اور غریب الفاظ کی توضیح بھی بیان فرماتے ہیں، جن کی امثلہ ہم تطویل سے بچنے کیلئے یہاں ذکر نہیں کریں گے۔ البتہ ہم آگے چل کر ان مقامات کی نشاندہی ضرور کریں گے جن پر امام نسائی رح نے گفتگو کی ہے (ان شاء اللہ)۔

شرائط امام نسائی رح:۔ امام صاحب کی "السنن" کو شرائط کے اعتبار سے بھی اہمیت حاصل ہے، حافظ ابو الفضل بن طاہر مقدسی شروط الائمہ میں لکھتے ہیں کہ میں نے جب امام ابو القاسم سعد بن علی زنجانی سے مکہ میں ایک راوی کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے اس کی توثیق کی تو میں نے عرض کیا کہ امام نسائی رح نے تو اس کی تضعیف کی ہے، اس پر موصوف فرمانے لگے۔

یا بنی ان لابی عبد الرحمٰن فی الرجال شرطا اشد من شرط البخاری ومسلم (شروط الائمہ ص۱۸ (مقدمہ زہر الربی) والنکت لابن حجر ص۱۲۲ قلمی التذکرہ وغیرہ)

لیکن یہ شرط اصحاب تراجم و اصول نے کہیں ذکر نہیں کی البتہ شروط الائمہ الخمسہ للحازمی کے حاشیہ پر ابن رجب کی شرح ترمذی سے یہ منقول ہے کہ:۔

اما النسائی فشرطہ اشد ولا یکاد یخرج لمن یغلب علیہ الوھم ولا لمن یفحش الخطاء کثیرا (حاشیہ مقدمہ زہر الربی)

لیکن یہ کوئی انوکھی شرط نہیں، جس کا شیخین نے لحاظ نہ کیا ہو، یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن کثیر (الباعث الحثیث) میں اس پر تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

انہ غیر مسلم فان فیہ رجالا مجھولین اما عینا او حالا وفیھم المجروح وفیہ احادیث ضعیفۃ ومعللۃ ومنکرۃ الخ (الباعث ص۳۱)

(۲) پھر مزید محل تعجب یہ ہے کہ جملہ اہل اصول نے محمد بن الباوردی سے یہ نقل کیا ہے کہ امام نسائی کا یہ مذہب تھا کہ وہ ہر اس راوی سے روایت لیتے، جس کے ترک پر اجماع نہ ہوتا اور اس اجماع سے ان کی مراد یہ ہے کہ نقاد رجال کے ہر دور میں باعتبار متشدد و متوسط ہونے کے دو طبقے رہے ہیں۔ پہلے طبقہ میں شعبہ اور سفیان ثوری، اور شعبہ ثوری سے متشدد تھے، دوسرا طبقہ یحیٰی القطان اور عبد الرحمٰن

[illegible]

کر دیتے ۔لانہ اقوی عندھم من رأی الرجال ملخصا از مقدمہ زہر الربی)

شروح وتعلیقات :۔ صحت وترتیب کے لحاظ سے سنن نسائی کے ساتھ اس قدر اعتناء نہیں کیا گیا ۔ جو اس کتاب کے شایان شان تھا اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ سنن کا انداز نہایت سہل اور اس کے تراجم بالکل واضح ہیں ۔جن میں کوئی اشکال نہیں ۔چنانچہ علامہ محمد منیر الدمشقی نموذج من الاعمال الخیریہ میں لکھتے ہیں :۔

ھذا الکتاب العظیم فی بابہ لم یتعرض العلماء والتعلیق علیہ لشرحہ الا القلیل اما لانہ سھل و منعہ کثیرۃ تراجمہ ظاھرۃ معانیہ مبینۃ طرقہ ولان الجھابذۃ المحققین اکتفوا بشرح البخاری و مسلم و سنن ابی داؤد ولان کتب ھولاء الاعلام اتقدم من کتاب النسائی رحمھم اللہ تعالیٰ انتھی

(مقدمہ زہر الربی مع تعلیقات)

علامہ موصوف کی یہ رائے بالکل درست ہے ، جیسا کہ سنن کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے ، تاہم جن اصحاب علم و فکر نے اس پر کام کیا ہے وہ درج ذیل ہیں :۔

(۱) الامعان فی شرح سنن النسائی ابی عبد الرحمٰن :۔ یہ شرح علامہ ابو الحسن علی بن عبد اللہ الانصاری الاندلسی متوفی ۵۶۷ھ کی ہے ۔نیل الابتہاج بتطریز الدیباج صہ۲ میں ہے :۔

انہ صنف تالیف مفیدۃ جلیلۃ منھا الامعان فی شرح سنن النسائی لابی عبد الرحمن لم یتقدم احد لمثلہ بلغ فیھا الغایۃ احتفالا و اکثارا انتھی ۔

اس سے اس شرح کی افادیت کا اندازہ ہو سکتا ہے لیکن محل تعجب ہے کہ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں اس کا ذکر نہیں کیا ۔جیسا کہ نموذج میں علامہ دمشقی نے صراحت کی ہے ۔ (مقدمہ تعلیقات سلفیہ صہ۲۱)

(۲) حافظ ابن حجر رحہ نے الدرر الکامنہ صہ۶۲ج۴ میں ذکر کیا ہے کہ حافظ محمد بن علی

الدمشقی م ۷۶۵ھ نے بھی نسائی کی شرح کا آغاز کیا تھا (مقدمہ زہر الربیٰ)

(۳) شرح ابن الملقن:۔ مشہور شارح علامہ ابن الملقن م ۸۰۴ھ نے زوائد نسائی کے نام سے نسائی کی شرح لکھی ہے۔

(۴) زہر الربیٰ:۔ یہ علامہ جلال الدین سیوطی م ۹۱۱ھ کی شرح ہے جو نہایت مشہور و متداول ہے۔

(۵) تعلیقات سندی:۔ علامہ محمد بن عبدالہادی سندی م ۱۱۳۸ھ نے دیگر کتب صحاح کی طرح امام نسائی کی سنن کا بھی حاشیہ لکھا ہے، یہ حاشیہ علامہ سیوطی کی شرح سے جامع اور مفید معلومات پر مبنی ہے۔ یہ حاشیہ ۱۳۲۱ھ میں مطبع میمنہ سے طبع ہو چکا ہے۔

(۶) سنن نسائی کا ایک حاشیہ شیخ ابو عبدالرحمن محمد پنجابی کا ہے۔ جو کہ تفسیر محمدی کے مؤلف ہیں۔ یہ حاشیہ ۱۳۱۶ھ میں مطبع انصاریہ دہلی سے طبع ہوا ہے، کم یاب ہے اور صرف ثلث حصہ پر منحصر ہے۔

(۷) ایک حاشیہ علامہ ابو یحییٰ محمد شاہجہان پوری کا ہے۔ جو دراصل شیخ ابو عبدالرحمن محمد پنجابی رح کے حاشیہ کا تکملہ ہے۔ (مقدمہ تعلیقات نسائی لعلامہ محمد حنیف بھوجیانی)

(۸) ایک نہایت لطیف تعلیقات پہ مبنی حاشیہ شیخ حسین بن محسن انصاری کا ہے جسے حضرت مولانا محمد حنیف صاحب بھوجیانی زید مجدہٗ نے تعلیقات سلفیہ میں ضم کر دیا ہے۔

(۹) علامہ ابو الطیب محدث ڈیانوی رحمۃ اللہ علیہ نے نسائی کے پیچیدہ مقامات پر علیحدہ مستقل کتاب لکھی ہے۔ (حاشیہ سیرت البخاری ص ۴۶۹ طبع نو۔)

(۱۰) التعلیقات السلفیہ:۔ نہایت لطیف اور جامع تعلیقات کا حامل یہ حاشیہ ہمارے فاضل علامہ گل سرسبد حضرت مولانا محمد عطاء اللہ صاحب حنیف بھوجیانی زیدہ مجدہ نے نہایت محنت و کاوش سے مرتب فرمایا ہے۔ اور بے شمار خصوصیات کا حامل ہے۔ فاضل مکرم نے اس میں زہر الربی سیوطی، حاشیہ سندی اور شیخ حسین بن محسن انصاری کے حواشی کا احاطہ فرمایا ہے۔ اور ساتھ احادیث کا شمار بھی کیا ہے۔ مسائل فقہیہ پر مختصر مگر جامع اور تسلی بخش نوٹ دے کر

تعلیقات کو مزید حسن و زیبائش سے آراستہ کیا ہے۔ اگر کسی مسئلہ میں اختصار سے کام لیتے ہیں تو اس کے متعلقہ مظان و موارد بقید حوالہ صفحات ذکر کر دیتے ہیں جو مسئلے کی تنقیح میں ایک معاون کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ مفید تعلیقات ۱۳۷۶ھ میں المکتبہ السلفیہ سے طبع ہو کر منصہ شہود پر آئی تھی۔

اس کی افادیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ یہ کتاب طبع ہوتے ہی ہاتھوں ہاتھ لی گئی اور اب پھر نایاب ہے۔

سنن نسائی اور تصحیف سنن کے موجودہ نسخوں میں تصحیف پائی جاتی ہے۔

اسانید اور اسناد میں جو غلطیاں پہلے سے چلی آرہی تھیں، افسوس کہ ان کی طرف کسی محشی نے بھی توجہ مبذول نہیں فرمائی۔

ذیل میں ہم ان مقامات کی نشاندہی کرتے ہیں چنانچہ کتاب تقصیر الصلوٰۃ فی السفر میں باب الصلوٰۃ بمنی کے تحت تیسری روایت میں سند ذکر کی گئی ہے (۱)۔

حدثنا قتیبہ قال حدثنا اللیث عن کبیر عن محمد بن عبید اللہ بن ابی سلیمان عن انس"

موجودہ نسخوں میں اسی طرح محمد بن عبید اللہ بن ابی سلیمان ہے۔ لیکن التہذیب التقریب اور التاریخ الکبیر وغیرہ میں محمد بن عبید اللہ بن ابی سلیم ہے۔ خزرجی نے الخلاصہ میں گو محمد بن عبید اللہ بن ابی سلیمان ہی نقل کیا ہے، لیکن حاشیہ میں اس کی تصحیح کر دی گئی ہے اور تحفۃ الاشراف میں بھی یہ روایت بواسطہ ابی سلیم ہے ان قرائن کی بناء پر ابی سلیمان نام میں تصحیف کا شائبہ یقین کی حد تک معلوم ہوتا ہے۔

(۲) کتاب البیوع میں المزارعہ والوثائق کے عنوان میں تابعہ محمد بن الطائفی کے تحت ہے۔

اخبرنا عامر قال حدثنا شریح قال ثنا محمد بن مسلم الخ

اب قابل غور بات یہ ہے کہ سند میں یہ شریح نامی کون ہیں۔ علامہ مزی نے الاطراف میں انہیں ابن النعمان کہا ہے۔ اگر یہ نسبت درست ہے تو راوی شریح ہے۔

صحاح میں شریح بن نعمان صرف ایک راوی ہے جو طبقہ ثالثہ میں سے ہے ان کے

اور اصحاب صحاح کے درمیان دور کا زمانہ ہے، بلکہ چار واسطے درمیان میں آتے ہیں اور سریح بن النعمان طبقہ عاشرہ کے راوی ہیں، جن سے اصحاب سنن نے بواسطہ احمد بن منیع و محمد بن عامر روایت لی ہے۔ اس سے صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سریح ہے شریح بن النعمان نہیں۔

(۳) سنن میں اسی روایت کے بعد دوسری روایت :- اخبرنا عبد اللہ بن محمد بن عبد الرحمٰن قال ثنا ابن المسور قال ثنا سفیان ابن عیینہ عن عمرو بن دینار الخ

ابن المسور سے مراد عبد الرحمٰن بن مسور لیں یا محمد بن عبد الرحمٰن بن المسور بہر حال یہ واسطہ درست نہیں، محمد بن عبد الرحمٰن تو رواۃ حدیث میں کہیں نظر نہیں آتا، رہے عبد الرحمٰن تو وہ طبقہ ثالثہ کے راوی ہیں۔ اور ان سے طبقہ عاشرہ کی روایت ناقابل تصور ہے۔ ہاں عین ممکن ہے کہ امام نسائی رح نے عبد اللہ بن محمد بن عبد الرحمان کی تعیین کے لئے ہو ابن المسور کہا ہو، اور ناسخ نے ہو کے بجائے قال ثنا کر دیا ہو، اور عبد اللہ بن محمد بن عبد الرحمٰن بن المسور صغار العاشرہ سے ہیں، جن سے اصحاب سنن، اور مسلم نے روایت لی ہے واللہ اعلم۔

ہم انہی چند اعلام پر اکتفاء کرتے ہیں، مقصود احاطہ نہیں، اور نہ ہی یہ مختصر اس کا متحمل ہے، تحفۃ الاشراف کو سامنے رکھ کر اگر سنن کا مطالعہ کیا جائے تو اس قسم کی متعدد امثلہ مل جاتی ہیں۔

وہ مقامات جہاں امام نسائی رح نے فنی حیثیت سے کلام کیا ہے

رفیق محترم مولانا محمد صدیق صاحب سا جزء کی تتبع کے مطابق (۱۷۷) ہیں۔ پہلے لبغید صفحات ان کی نشان دہی کی جاتی ہے، اور ثانیاً چند بحث طلب مقامات پیش کئے جاتے ہیں۔ واللہ الموفق۔

"یاد رہے کہ یہ صفحات تعلیقات سلفیہ کے ہوں گے"

(۱) باب دلک الید بالارض ص۱ (۲) الامر باراقۃ ما فی الاناء اذا ولغ فیہ الکلب ص۱۲

(۳) ترک التوقیت فی الماء ص۱۳ (۴) صب الخادم الماء علی الرجل ص۱۳

(۳) ترک التوقیت فی الماء ص ۱/۱ ج (۴) صب الخادم الماء علی الرجل ص ۱۳
(۵) علی غسل الوجه ص ۱۵ ج ۱ - (۶) باب وجوب الغسل ص ۲۵
(۷) باب الفرق بین دم الحیض ص ۲۸ - (۸) ذکر الاقراء ص ۲۶ (۹) باب
الفرق بین دم الحیض ایضاً ص ۲۸ (۱۰) باب ذکر الامر بذالک للحائض
ص ۳ (۱۱) باب البول ما یوکل لحمه ص ۳۶ (۱۲) ذکر الاقراء ص ۴۳ (۱۳)
باب الفرق بین دم الحیض والاستحاضه ص ۴۲ - (۱۴) باب الفرق الخ ایضاً
(۱۵) باب الوضوء من مس الذکر ص ۵۰ (۱۶) باب الوضوء الخ ایضاً -
(۱۷) التسویب فی اذان الفجر ص ۶۵ (۱۸) باب الصلوٰة علی الحمار
(۱۹) موقف الامام اذا کانوا ثلاثة ص ۱۲ (۲۰) من یلی الامام ثم
الذی یلیه ص ۹۳ (۲۱) جامع ما جاء فی القرآن ص ۱۱۶ (۲۲) الفضل فی قراءة
قل هو الله احد - (۲۳) باب رفع الیدین عن الارض قبل الرکعتین ص ۱۲۶
(۲۴) کیف التشهد الاول (۲۵) نوع اٰخر من التشهد ص ۱۵۰ (۲۶) باب
کیف الصلوٰة علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۱۵ باب کیف الصلوٰة الخ
ایضاً (۲۸) نوع اٰخر ایضاً (۲۹) باب السلام ص ۱۵۵ - (۳۰) باب الرخصة
فی ترک الغسل للجمعه ص ۱۶۱ - (۳۱) باب کیفیة الخطبه ص ۱۶۵ (۳۲) باب
حض الامام فی خطبته علی الغسل یوم الجمعه ص ۱۶۶ (۳۳) الکلام و
القیام بعد النزول عن المنبر ص ۱۶۶ (۳۴) ذکر الساعة التی یستجاب فیها
الدعاء ص ۱۶۶ - (۳۵) خروج الامام الی المصلی للاستسقاء ص ۱۶۹ (۳۶)
باب قیام اللیل ص ۱۹۱ (۳۷) ذکر صلوٰة نبی اللہ موسیٰ کلیم اللہ ص ۱۹۵
(۳۸) باب کیف صلوٰة القاعد ص ۱۹۶ - (۳۹) باب تسویة القیام و
الرکوع والقیام بعد الرکوع والسجود والجلوس بین السجدتین
فی قیام اللیل ص ۱۹۸ (۴۰) باب کیف صلوٰة اللیل ایضاً (۴۱) باب نوع
اٰخر فی القراءة فی الوتر ص ۲۰۴ - (۴۲) التسبیح بعد الفراغ من الوتر ص ۲۰۵
(۴۳) المحافظة علی الرکعتین قبل الفجر ص ۲۰۶ (۴۴) باب وقت رکعتی
الفجر ص ۲۰۶ (۴۵) باب وقت رکعتی الفجر ص ۲۰۸ - (۴۶) باب من کان له صلوٰة

(۱۶۱) ایضاً ص ۲۸۲ (۱۶۲) الحکم بالتشبیه والتمثیل ص ۳۰۲ (۱۶۳) ایضاً ص ۳۰۳ (۱۶۴) الحکم باتفاق اھل العلم ص ۳۰۳۔ (۱۶۵) الاستعاذۃ من الھرم ص ۳۱۱۔ (۱۶۶) الاستعاذۃ من فتنۃ المقبر۔ ص ۳۱۶۔ (۱۶۷) الاستعاذۃ من حر النار ص ۳۱۷۔ (۱۶۸) الاستعاذۃ من دعاء لا یسمع ص ۳۱۸۔ (۱۶۹) الترخیص فی انتباذ الخمر ص ۳۲۲ (۱۷۰) انتباذ الزبیب وحدہٗ ص ۳۲۲ (۱۷۱) تحریم کل شراب اسکر کثیرہ ص ۳۲۴۔ (۱۷۲) من اباح شراب المسکر ص ۳۳۰۔

(۱۷۳) ایضاً ص ۳۳۰ (۱۷۴) ص ۳۳۱

(۱۷۵) ایضاً ص ۳۳۲ (۱۷۶) ایضاً ص ۳۳۴

(۱۷۷) باب الفرق بین دم الحیض الخ۔ صفحہ ۱۷۲۸

ان مواضع میں امام نسائی رح نے اپنی سنن میں احادیث پر گفتگو کی ہے جنہیں دیکھنے سے چند امور سامنے آتے ہیں، جو ذیل میں ذکر کئے جاتے ہیں۔

(۱) آپ بسا اوقات مشتبہ ناموں کی توضیح کرتے ہیں، چنانچہ آپ کتاب الحج میں ایک حدیث اس سند سے بیان کرتے ہیں :۔

اخبرنا ابوداؤد حدثنا مسلم بن ابراھیم قال ثنا اسمعیل بن مسلم قال ثنا محمد بن واسع الخ

اس روایت کے ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں، اسمٰعیل بن مسلم تین ہیں :۔

اسمعیل بن مسلم ثلثۃ ھذا احدھم لا باس بہ و اسمعیل بن مسلم شیخ یروی عن ابی طفیل لا بأس بہ و اسماعیل بن مسلم یروی عن الزھری والحسن متروک الحدیث انتھیٰ۔ اسی طرح نسائی ص ۱۸۱/۲۵ میں ابو علی حنفی سے روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں ابو علی الحنفی ھم اربعۃ اخوۃ احدھم ابو بکر والشیر وشریک و... [illegible] اس قسم کی مثال متعدد مقامات ۲ دو

ہی کے ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

(۲) کبھی کبھی حدیث کے مشکل الفاظ کی توضیح فرماتے ہیں، مثلاً حضرت ابو ہریرہ کی حدیث جس کے الفاظ ہیں، انہ کرہ الشکال عن الخیل کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں :-

الشکال من الخیل ان یکون ثلث قوائم محجلہ وواحدۃ مطلقہ او یکون الثلاثہ مطلقہ ورجل محجلہ ولیس یکون الشکال الا فی الرجل ولا یکون فی الیہ" ص ۱۱۳/۲ج

(۳) سنن میں سب سے اطول سند کتاب الصلوٰۃ میں ہے جسے ۱-۲- الفضل فی قراۃ قل ھو اللہ احد کے تحت یوں نقل کیا ہے :-

اخبرنا محمد بن بشار حدثنا عبد الرحمن حدثنا زائدۃ عن منصور عن ھلال ابن یساف عن ربیع بن خثیم عن عمرو بن میمون عن ابن ابی لیلیٰ عن امراۃ عن ابی ایوب عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ (الحدیث)

اس کے بعد فرماتے ہیں :- لا اعرف اسنادًا اطول من ھذا ص ۱۴۰ ج ۱

(۴) بسا اوقات ایک حدیث کو نقل کرنے کے بعد اس کے مرسل ومتصل ہونے کی وضاحت کرتے ہیں۔ جس کی متعدد امثلہ مل جاتی ہیں، مثلاً باب تسویۃ القیام والرکوع والقیام بعد الرکوع۔ الخ میں حضرت حذیفہؓ کی روایت کے بعد لکھتے ہیں :-

ھذا الحدیث عندی مرسل وطلحۃ بن یزید لا اعلمہ سمع من حذیفۃ شیئًا الخ لیکن یہ روایت منقطع ہے مرسل نہیں، جیسے کہ امام نسائیؒ فرما رہے ہیں۔ اس کے لئے یہ ملحوظ خاطر رہے کہ بعض اصولیین تو مرسل ومنقطع کے درمیان فرق کرتے ہیں، اور بعض اسے ایک ہی معنی پر محمول کرتے ہیں، جیسا کہ شیخ الاسلام اور علامہ سیوطیؒ نے اس کی صراحت فرمائی ہے۔ علامہ الجزائری فرماتے ہیں :-

وقد اطلق المرسل علی المنقطع من ائمۃ الحدیث۔ ابو زرعہ وابو حاتم والدارقطنی (توجیہ النظر) ص ۲۴۳)

علامہ نوویؒ نے ان محدثین میں علامہ بیہقی کا بھی یہی مسلک بتایا ہے، جیسا کہ مولانا محمد

حسن صاحب ہزارویؒ نے شرح شرح نخبۃ الفکر ص۲۳ میں ذکر کیا ہے۔ لہٰذا امام نسائیؒ کے اس طریق سے معلوم ہوتا ہے، کہ وہ بھی ان محدثین کے ساتھ ہی شامل ہیں جو مرسل و منقطع میں کچھ فرق نہیں مانتے اور اس کا ثبوت اور کئی مقامات پہ بھی ملتا ہے، چنانچہ "کتاب الصیام" میں ایک جگہ حمزہ بن عمرو رضہ سے روایت نقل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ روایت مرسل ہے۔ (ص۲۵۸ ج۱)۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ سلیمان بن یسار کا حمزہ سے سماع ثابت نہیں ہے۔ اور علامہ محمد عطاء اللہ صاحب حنیف اپنی تعلیقات میں رقمطراز ہیں:۔

"والمرسل ھٰھنا بمعنی المنقطع الخ"

اسی طرح ان کے چند صفحات آگے چل کر حضرت حفصہ رض کی روایت لا صیام لمن لم یجمع الصیام قبل الفجر کے بعد فرماتے ہیں: ارسلہ مالک بن انس حالانکہ وہ روایت جسے امام مالکؒ نے بیان کیا ہے وہ منقطع ہے اور بواسطہ زہری عن عائشہ مروی ہے، گویا شواہد سے یہ ثابت ہوا کہ امام نسائیؒ کے نزدیک مرسل و منقطع میں کوئی فرق نہیں ہے۔ واللہ اعلم وھو الموفق۔

(۵) کبھی کبھار حدیث کی صحت و سقم کی بھی وضاحت کرتے ہیں، مثلاً باب الحث علی السحور کے تحت حضرت ابوہریرہؓ کی روایت نقل کرنے کے بعد رقمطراز ہیں:۔

حدیث یحییٰ بن سعید ھٰذا اسنادہ حسن وھو منکر واخاف ان یکون الغلط من محمد بن فضیل۔ (ص۲۴۶ ج۱)

جس کا ماحاصل یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ کی روایت "تسحروا فان فی السحور برکۃ" بواسطہ ابن ابی لیلیٰ عن عطاء عن ابی ہریرہ صحیح ہے، اور محمد بن فضیل نے اسے بواسطہ یحییٰ بن سعید عن ابی سلمہ عن ابی ہریرۃ بیان کرنے میں غلطی کی ہے۔

اس مثال سے ایک اصولی مسئلہ کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ وہ یہ کہ محدثین تفرد ثقہ پر بھی منکر کا اطلاق کرتے ہیں، اور پھر جملہ اہل اصول نے اسے اپنی کتب میں ذکر کیا ہے۔ طوالت سے بچنے کے پیش نظر صرف چند امثلہ پر ہم اکتفاء کرتے ہیں۔ حافظ ابن الصلاح رح فرماتے ہیں:۔

واطلاق الحکم علی التفرد بالرد والنکارۃ او الشذوذ موجود فی کلام کثیر من اھل الحدیث (مقدمہ ص۷۲)

اور شیخ الاسلام اسی پر بحث کرتے ہوئے اپنے النکت میں رقمطراز ہیں :-

نعم اطلق الامام احمد والنسائی وغیر واحد من النقاد لفظ المنکر علی مجرد التفرد الخ ص۲۱۶ قلمی

اور اسی طرح مقدمہ فتح میں فرماتے ہیں :-

قلت المنکر اطلقہ احمد بن حنبل رض وجماعۃ علی الحدیث المفرد الذی لا متابع لہ فیحمل ھذا علی ذالک (ترجمہ محمد بن ابراہیم)

متقدمین میں سے اصحاب صحاح کی کتب ابوداؤد، ترمذی، بیہقی سے اس کی امثلہ مل جاتی ہیں، نیز علامہ عبدالحی نے الرفع والتکمیل اور امیر علی نے التذنیب میں بھی اس کی وضاحت کی ہے۔ امام نسائی نے اپنی سنن ص۲۰۷ باب وقت رکعتی الفجر اور باب بیع الکلب ص۲۲۵ ج۲ میں بھی اس قسم کی احادیث پر منکر کا لفظ استعمال کیا ہے۔

(۶) امام نسائی رح نہ صرف محدث بلکہ بلند پایہ مجتہد اور فقیہ بھی تھے، اور آپ کی سنن دراصل اس کا مظہر اور نمونہ ہے، امام حاکم رح فرماتے ہیں :-

فاما کلام ابی عبد الرحمن علی فقہ الحدیث فاکثر من ان یذکر فی هذا الموضع ومن نظر فی کتاب السنن لہ تحیر فی حسن کلامہ الخ (معرفہ علوم الحدیث)

امام حاکم رح کا یہ قول عین حقیقت ہے واعلموا انما غنمتم من شیء فان اللہ خمسہ وللرسول (الآیۃ) کی تفسیر میں امام موصوف رح نے جن امور کا ذکر کیا ہے وہ قابل قدر ہیں۔ موجودہ دور میں اسٹام لکھنے کا جو طریقہ رائج ہے، اگر یہ کہا جائے کہ وہ امام نسائی رح کا رہین منت ہے تو بے جا نہ ہوگا، جسے انہوں نے کتاب المزارعہ کے عنوان کے تحت ص۱۴۸ ج۲ میں بیان کیا ہے، جب کہ اس پر ایک مثال بھی من وعن صادق آتی ہے، چنانچہ "تحریم کل شراب اسکر کثیرہ الخ" کے تحت حضرت ابوہریرہ کی روایت :-

علمت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصوم فتحینت فطرہ بنبیذ صنعتہ لہ فی دباء فجئتہ بہ فقال ادنہ فادنیتہ منہ فاذا ھو ینش فقال اضرب بھذا الحائط

فان ھذا شراب من لا یؤمن باللہ والیوم الاٰخر (ص۳۲۲)
نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں :۔

قال ابوعبدالرحمن و فی ھذا دلیل علی تحریم المسکر قلیلہ وکثیرہ ولیس کما یقول المخادعون لا نفسہم بتحریمہم اخر الشربۃ وتحلیلہم ما تقدمہا الذی لیشرب فی الفرق قبلہا ولا خلاف بین اھل العلم ان السکر بکلیتہ لا یحدث علی الشربۃ الاخرۃ دون الاولی والثانیہ بعدھا وباللہ التوفیق

اندازہ کیجئے امام صاحبؒ کتنے زوردار الفاظ سے قلیل مقدار شراب کے حلال ہونے کے قائلین کی تردید کرتے ہیں، پھر آگے چل کر مزید وضاحت فرماتے ہیں، کہ اس متفقہ فیصلہ کو سب سے پہلے ابراہیم نخعی نے رد کیا ہے۔ چنانچہ ابن مبارک سے نقل کرتے ہیں :۔

ما وجدت الرخصۃ فی المسکر عن احد صحیحًا الا عن ابراھیم

ایسی کئی امثلہ جو سنن میں موجود ہیں، امام صاحبؒ کے فقہ واجتہاد کی دلیل ہیں

(۷) المجتبیٰ میں امام صاحب نے السنن الکبریٰ کے خلاف کہا ہے : مثلاً "باب کیف صلوٰۃ اللیل" میں حضرت ابن عمر کی روایت "صلوٰۃ اللیل مثنیٰ" کے بعد لکھتے ہیں :۔ ھذا الحدیث خطأ عندی واللہ اعلم

مگر السنن الکبریٰ میں اسی روایت کے متعلق فرماتے ہیں :۔ اسنادہ جید التلخیص ص۱۱۹ اسی طرح السنن صغریٰ میں تصحیف کے نمونے ملتے ہیں مثلاً تحریم کل شراب الخ کے تحت رقمطراز ہیں : "الذی یشرب فی الفرق" حالانکہ السنن الکبریٰ میں اصل عبارت یوں ہے :۔

"الذی یسری فی العرق قبلہا" قالہ السندی

(۸) سنن اور دیگر کتب حدیث کے ساتھ موازنہ کی صورت میں ہمیں بعض ایسے مواضع بھی ملتے ہیں جن میں آپ نے دیگر محدثین سے اختلاف کیا ہے۔ مثلاً باب الفرق بین دم الحیض" میں فاطمہ بنت ابی جیش کی روایت کے بعد فرماتے ہیں :۔

لا اعلم احدا ذکر ھذا الحدیث و توضئی غیر حماد بن زید وقد روی غیر واحد عن ھشام و لم یذکر فیہ و توضئی السنن ص۲۸ ج۱ ۔

حالانکہ حماد ان الفاظ کے بیان کرنے میں منفرد نہیں بلکہ ان کی متابعت یحییٰ بن سلیم، ابومعاویہ ابوحمزہ السکری سے ثابت ہے۔ ابوحمزہ کی روایت بیہقی میں اور ابومعاویہ رضی کی صحیح بخاری میں اور یحییٰ بن سلیم کی متابعت کا ذکر شیخ الاسلام نے کیا ہے، تفصیل کے لئے نصب الرایہ صہ ۶۲ تلخیص صہ ۶۲ الجوہر النقی صہ ۲۲۴ ج ۱ ملاحظہ ہوں، ہم نے امام مسلم رح کے مقالہ میں قدرے بسط سے اس پر بحث کی ہے۔ اسی طرح باب کیف صلوٰۃ القاعد کے تحت حضرت صدیقہ رض کی روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

لا اعلم احدا روی ھذا الحدیث غیر ابی داؤد وھو ثقۃ ولا احسب ھذا الحدیث الا خطا واللہ تعالیٰ اعلم (صہ ۱۹۷ ج ۱)

حالانکہ ابوداؤد ان الفاظ کے روایت کرنے میں متفرد نہیں، بلکہ اس کی متابعت محمد بن سعید بن الاصبہانی سے ثابت ہے۔ جسے ابن خزیمہ اور بیہقی نے ذکر کیا ہے۔ الغرض سنن میں ایسے کئی مقامات ہیں، جہاں امام صاحب رح نے دوسرے محققین سے اختلاف کیا ہے۔

(۹) بسا اوقات، امام صاحب رح ایک راوی پر جرح کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ وہ راوی مختلف فیہ ہوتا ہے، اس لئے اپنی تائید میں دیگر نقاد محدثین سے بھی جرح نقل کرتے ہیں مثلاً الخطبہ قبل یوم الترویہ میں حضرت جابر رض کی روایت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:۔

قال ابوعبدالرحمن ابن خثیم لیس بالقوی فی الحدیث وانما اخرجت ھذا لئلا یجعل ابن جریج عن ابی الزبیر وما کتبناہ الا عن اسحق بن راھویہ ابن ابراھیم ویحیی بن سعید القطان لم یترک حدیث ابن خثیم ولا عبدالرحمن الا ان علی بن المدینی قال ابن خثیم منکر الحدیث وکان علی بن المدینی خلق للحدیث صہ ۳۷

(۱۰) طبقات رواۃ کے اعتبار سے کبھی ان کے مدارج ومراتب کو بھی واضح کرتے ہیں، مثلاً التسبیح بعد الفراغ عن الوتر کے بعد فرماتے ہیں:۔

قال ابوعبدالرحمن ابونعیم اثبت عن محمد بن عبید ومن قاسم بن یزید واثبت اصحاب سفیان عندنا واللہ اعلم۔ یحییٰ بن سعید القطان

ثم عبد اللہ بن مبارک ثم وکیع بن الجراح ثم عبد الرحمٰن بن مہدی
ثم ابو نعیم ثم الاسود الخ ص ۲۰۵ ج ۱

(۱۱) باوجود اس بات کے کہ امام نسائی کو امام المسلمین کے لقب سے نوازا گیا اور امام مسلم سے کہ احفظ تسلیم لیا گیا۔ لیکن اس قدر منکسر المزاج تھے کہ جہاں کہیں کسی بات کا پتہ نہ چلتا اس کے متعلق صاف عدم علم کا اظہار فرما دیتے، چنانچہ "باب الحث علی النکاح" کے تحت حضرت عثمان کی روایت۔

خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی فتیۃ۔ (الحدیث)

ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں فلم افہم فتیۃ کما اردت" یعنی مجھے میری منشا کے مطابق فتیہ کا معنی معلوم نہیں ہو سکا، یہ عدم علم نہیں بلکہ لا ادری نصف العلم کے مطابق آپ کے تقویٰ و کمال علم پر ایک دلیل ہے۔

(۱۲) سنن کی کتب اور ابواب میں بعض مقامات پر کچھ تکرار ملتا ہے۔ جیسا کہ باب "ذکر الاقراء" سؤر الکلب، باب سؤر الھرۃ کا ذکر صفۃ الوضوء سے پہلے بھی ہے، اور پھر آگے چل کر کتاب المیاہ میں بھی ان کا ذکر آگیا ہے۔ اور اسی طرح کتاب الزینۃ کا ذکر بھی دو دفعہ آگیا ہے، اور غسل کے مسائل پہلے بھی مذکور ہونے کے باوجود کتاب الغسل والتیمم میں بھی منقول ہیں۔ لیکن دراصل بات یہ ہے کہ کتابوں اور ابواب کا یہ تکرار من حیث الصغریٰ والکبریٰ کے قبیل سے ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ایسے ابواب وکتب کے متعلقات یا انہی کے تحت امام نسائی نے من السنن الصغریٰ والکبریٰ کی وضاحت کر دی ہے، اس بنا پر یہ تکرار چنداں قباحت کا موجب نہیں ہے۔ البتہ بسا اوقات المجتبیٰ میں ابواب زیادہ ہوتے ہیں، اور بسا اوقات سنن الکبریٰ میں (واللہ الموفق)۔

کیا امام نسائیؒ شافعی تھے؟ :- طبقات شافعیہ میں علامہ السبکی کے امام نسائی کا ترجمہ قائم کرنے سے بعض نے آپ کو شافعی المسلک کہا ہے۔ اور اسی طرح آپ کے کتاب المناسک جو کہ امام شافعیؒ کے مسلک پر ہے، تحریر کرنے سے علامہ ابن اثیر جزری فرماتے ہیں کہ آپ کے شافعی المسلک ہونے کا شائبہ ہوتا ہے لیکن [illegible] بزرگوں کی طرح

کے بیان سے آپ کو شافعی نہیں کہا جا سکتا، کیونکہ دوسری طرف شیخ الاسلام ابن تیمیہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو حنبلی ظاہر کیا ہے، جیسا کہ علامہ کاشمیری اپنی امالی میں فرماتے ہیں:۔

والنسائی وابو داؤد حنبلیان صرح بہ الحافظ ابن تیمیہ (فیض الباری)

تو کیا اس بیان پر آپ کو حنبلی کہا جائے گا؟ نہیں وہ تو خود مجتہد تھے، صرف بات یہ ہے کہ آپ کا اجتہاد کبھی تو امام شافعی رح کے مذہب کے مطابق ہوتا ہے اور کبھی دوسرے فقہاء کے ساتھ چنانچہ علامہ الجزائری رقمطراز ہیں:۔

" واما مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجہ وابن خزیمہ وابو یعلی والبزار ونحوھم فہم علی مذھب اھل الحدیث لیسوا مقلدین لواحد بعینہ من العلماء ولا ھم من الائمۃ المجتہدین علی الاطلاق بل یمیلون الی قول ائمۃ الحدیث" کا الشافعی واحمد واسحق وابی عبید وامثالہم الخ توجیہ النظر ص۱۸۵)

بلکہ حافظ ابن حزم نے تو یہاں تک صراحت کی ہے، کہ یہ ائمہ تو تقلید کے منکر اور لوگوں کو اس فعل شنیع سے ہمیشہ روکنے والے ہیں، چنانچہ حضرت النواب حافظ ابن حزم سے نقل فرماتے ہیں:۔

ثم اتی بعد ھؤلاء البخاری ومسلم وابو داؤد والنسائی...

ما منہم احد اتی یا مام فاخذ بقولہ فتقلد بہ بل کل

ھؤلاء نہی عن ذالک وانکرہ ھدایۃ السائل ص۵۳۴

شاہ ولی اللہ دہلوی نے بھی حجۃ اللہ میں اتفاق اجتہاد کو ہی ان کے شافعیت کی طرف منسوب ہونے کا سبب ٹھہرایا ہے۔

قطع نظر ان اقوال کے اگر بقول ابن اثیر کتاب المناسک لکھنے سے شافعی ہیں تو کیا انہوں نے کتب السنن میں دیگر ائمہ کی تائید نہیں کی، کتاب السنن کے ابتداء ہی میں کتاب الاقراء میں ہمیں یہ بات ملتی ہے آپ فاطمہ بنت ابی جیش کی مشہور روایت کے ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:۔

ھذا الدلیل علی ان الاقراء حیض "

اور یہی مسلک امام ابو حنیفہ رح کا ہے، کہ الاقراء سے مراد حیض ہے تو کیا امام نسائی رح

کو اس موافقت کی بنا پر حنفی کہیں گے؟ نہیں ہرگز نہیں بلکہ حقیقت وہی ہے۔ جو شاہ ولی اللہ صاحب اور علامہ الجزائری نے بیان کی ہے کہ یہ مجتہد تھے، اور جزئیات مسائل میں محدثین کی طرح احادیث کے مطابق عمل کرتے تھے اور جن ائمہ کے مسلک کو کتاب و سنت کے قریب تر پاتے، اس کی تائید فرما دیتے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

امام ابوداؤد سجستانی رح

متولد ۲۰۲ھ متوفی ۲۷۵ھ

نام ونسب :- سلیمان نام ابوداؤد کنیت، اور نسب نامہ یہ ہے۔ سلیمان بن اشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد بن عمرو بن عمران الازدی سجستانی، آپ کے جد اعلیٰ عمران کے متعلق مؤرخین نے لکھا ہے کہ انہوں نے جنگ صفین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ساتھ دیا تھا۔ اور اسی میں ان کی شہادت ہوئی۔ [1]

ولادت وخاندان :- امام ابوداؤد رح کا خود بیان ہے کہ وہ ۲۰۲ھ میں پیدا ہوئے [2] آپ کو نسبی تعلق مشہور قبیلہ " ازد " سے ہے۔ اس لئے ازدی کہلاتے ہیں۔

وطن :- امام صاحب کی مقامی نسبت سیستان (سجستان) کی طرف ہے، جو ایک مشہور ملک ہے، اور ہند کے پہلو میں سندھ وہرات کے مابین اور قندھار کے متصل واقع ہے۔ اور چشت جو بزرگان چشتیہ کا وطن ہے۔ وہ بھی اسی ملک میں واقع ہے۔ پہلے زمانہ میں " بست " اس ملک کا پایہ تخت تھا۔ عرب لوگ اس ملک کی نسبت میں کبھی آپ کو سجزی بھی کہہ دیتے ہیں۔

بعض لوگوں نے بصرہ کے ایک گاؤں سجستان یا سجستانہ کو آپ کا وطن بتایا ہے۔ جو درست نہیں، اسی طرح محمد بن طاہر مقدسی لکھتے ہیں :-

" میں نے محمد بن نصر قل ہو اللہ خاں سے سنا کہ امام ابوداؤد رح کا وطن بصرہ کا ایک گاؤں سجستان ہے۔ جو خراسان کے سجستان سے الگ ہے۔"

---

[1] تاریخ بغداد (ص ۵۵ ج ۹) [2] تہذیب التہذیب (ص ۱۶۹ ج ۴) نیز کتاب الانساب وغیرہ ۱۲
[3] تاریخ بغداد (ص ۵۶ ج ۹)۔

اسی طرح کی ایک اور روایت بھی ہے۔ اور ابن نصر کا یہ بیان کہ انہوں نے جب بصرہ والوں سے اس کی تحقیق کی تو پتہ چلا کہ وہاں کے لوگ اس نام کے کسی گاؤں سے واقف نہیں، تو اس قسم کی سب روایات ناقابل اعتماد ہیں، درست وہی ہے جو ہم ابتداء میں ذکر کر آئے ہیں۔ اور یہی موقف شاہ عبدالعزیز رح کا ہے، چنانچہ ابن خلکان وغیرہ کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

ابن خلکان کو انساب میں مہارت، اور تاریخ دانی میں کمال کے باوجود اس نسبت کے متعلق غلط فہمی ہوئی ہے، اور بقول صاحب طبقات علامہ تاج الدین سبکی یہ وہم ہے، اور صحیح یہ ہے کہ یہ نسبت سیتان (سجستان) کی جانب ہے، جو ایک مشہور ملک اور سندھ و ہرات کے درمیان قندھار کے قریب واقع ہے۔"[1]

علامہ ذہبیؒ نے دونوں قسم کے اقوال پیش کئے ہیں[2] اور علامہ سمعانی رح کے بیان سے ہمارے مدعیٰ کی مزید تائید ہوئی ہے، جیسا کہ لکھتے ہیں :-

"سجستانی سجستان کی طرف نسبت ہے جو کابل کے ایک مشہور شہر کا نام ہے۔"[3]

ویسے جن لوگوں نے امام صاحب کی نسبت بصرہ کی طرف کی ہے، انہیں اس وجہ سے غلط فہمی ہوئی کہ آپ نے آخری عمر میں بصرہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی، اس لئے انہوں نے امام صاحبؒ کا وطن (بصرہ) کے قرب وجوار کے علاقہ ہی کو سمجھ لیا۔ واللہ اعلم۔

سماع حدیث کے لئے سفر :-

امام ابوداؤد رح نے حدیث پاک کے جمع وحصول کے لئے بے شمار مقامات کے سفر کئے ہیں۔ مؤرخین نے آپ کے اسفار کا تذکرہ کرتے ہوئے بلاد اسلامیہ میں سے۔ مصر، شام، حجاز، عراق، خراسان اور جزیرہ بصرہ وغیرہ کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے۔ اور امام ابوداؤد رح اپنی کتاب، کتاب السنن میں "مصر" کے سفر کا

---

[1] بستان المحدثین (ص ۱۰۸) والحطہ (ص ۱۲۵) [2] تاریخ ابن خلکان (ج ۱ ص ۳۸۳) تذکرۃ الحفاظ (ج ۲ ص ۱۲۷) [3] کتاب الانساب سمعانی (ورق ۲۹۱)

تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"کہ میں نے مصر میں ایک بہت لمبی ککڑی دیکھی اس کو ناپا تو تیرہ[۱۳] بالشت کی ہوئی، اور میں نے ایک ترنج دیکھا، اسے کاٹ کر اونٹ پر لادا گیا تھا، اس کے دونوں حصے بڑے نقاروں کی مانند معلوم ہوتے تھے"[۱]

اسی طرح آپ نے اپنے زمانہ کے دستور کے مطابق اسی سلسلہ میں اور بھی بہت سے مقامات کا سفر کیا۔ کئی بار بغداد تشریف لے گئے اور نیساپور، مرو، اصبھان وغیرہ کے محدثین کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے استفادہ کیا[۲]

شیوخ :- شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ آپ کے شیوخ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

" وشیوخہ فی السنن وغیرھا نحومن ثلاثمائۃ نفس اھ "

کہ امام ابوداؤد رحمہ اللہ کے شیوخ کی تعداد تین صد کے قریب ہے۔ ان میں امام احمد بن حنبل، اسحٰق بن راہویہ، اور ابوثور جیسے بلند پایہ فقہائے محدثین اور یحیی بن معین، ہشام بن عبدالملک طیالسی، ابوبکر بن ابی شیبہ، عثمان بن ابی شیبۃ جیسے نامور ناقدین فن اور ائمہ محدثین شامل ہیں۔ چند اور مشہور شیوخ کے نام یہ ہیں۔

حیوۃ بن شریح، خلف بن ہشام بغدادی، ربیع بن نافع حلبی، زہیر بن حرب، سعید بن سلیمان بزار واسطی، سعید بن منصور، سلیمان بن حرب، سلیمان بن عبدالرحمٰن دمشقی، شجاع بن مخلد، صفوان بن صالح دمشقی، عبداللہ بن رجاء بصری، عبداللہ بن محمد نفیلی دمشقی، عمرو بن عون بزار واسطی، ابورجاء قتیبہ بن سعید، محمد بن بشار بندار بصری، محمد بن صباح بزار دولابی، محمد بن منہال، مسدد بن مسرھد، ہشام بن خالد ازرق دمشقی، ہناد بن عمرو اور ابومحمد، ابوالولید طیالسی، قعنبی، مسلم بن ابراہیم، ابوعمرو وغیرہ۔

---

[۱] بستان المحدثین (ص ۱۱۹) [۲] تاریخ بغداد (ج ۹ ص ۵۶) والبدایہ والنہایہ (ج ۱۱ ص ۵۴، ۵۵)۔
[۳] تہذیب التہذیب (ج ۴ ص ۱۷۲، ۱۶۹، ۱۷۰) ومقدمہ غایۃ المقصود شرح ابوداؤد للشیخ علامہ شمس الحق صاحب ڈیانوی رحمہ اللہ ج ۱ ص ۵، ۶۔

فائدہ :- امام ابوداؤد رح، امام بخاری رح اور امام مسلم رح کے ساتھ امام احمد بن حنبل، عثمان بن ابی شیبہ، قتیبہ بن سعید شیوخ کے اعتبار سے برابر کے شریک ہیں۔

تلامذہ :- امام صاحب کے تلامذہ کا حلقہ بھی بہت وسیع ہے " سنن کے رواۃ میں" ابو عمرو احمد بن علی بن حسن بصری، ابو علی محمد بن احمد بن عمرو لولوی، ابو الطیب احمد بن ابراہیم الشنائی، ابو سعید احمد بن محمد بن زیاد اعرابی، ابو بکر محمد بن عبد الرزاق بن داسہ، ابو الحسن علی بن حسن بن عبد انصاری، ابو عیسیٰ اسحق بن موسےٰ بن سعید رملی، اور ابو اسامہ محمد بن عبد الملک بن یزید رواس، ابو سالم محمد بن سعید الجلودی شامل ہیں۔

دوسری کتابوں کے رواۃ ہیں :- ابو عبد اللہ محمد بن احمد بصری، ابو بکر احمد بن سلیمان نجاد۔ اسمعیل بن محمد صغار، ابو عبید محمد بن علی بن عثمان آجری اور دوسرے مشہور علماء میں آپ کے صاحبزادے ابو بکر بن ابی داؤد اور ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق الفرائنی، حرب بن اسمٰعیل کرمانی، زکریا ساجی، ابو بکر بن محمد بن خلال اور احمد بن لیسین ہروی وغیرہ بھی آپ کے تلامذہ میں شامل ہیں۔

صحاح ستہ :- کے مصنفین میں سے امام ترمذی اور امام نسائی رح کو بھی آپ سے تلمذ حاصل ہے[1] امام احمد رح بن حنبل رح نے بھی جو آپ کے اساتذہ میں تھے۔ حدیث عتیرہ ان سے روایت کی ہے، اور امام اس بات پر ناز کیا کرتے تھے۔

چار مشہور تلامذہ :- امام ابوداؤد رح کے یوں تو تمام تلامذہ علمی میدان میں بلند پایہ ہیں، لیکن چار اشخاص زیادہ مشہور و ممتاز ہیں، چنانچہ شاہ عبد العزیز رح فرماتے ہیں :-

وچہار کس از جملہ شاگرداں ! وخیلے سرآمد محدثین شدند اول پسرش ابوبکر بن

---

[1] تہذیب التہذیب (ج ۴ ص ۱۷۲، ۱۶۹، ۱۷۰) غایہ المقصود ج ۱ ص ۵، ۶ تذکرۃ الحفاظ (ج ۲، ص ۱۵۳)

ابی داؤد دوم لؤلؤی، سوم ابن الاعرابی، چہارم ابن داسہ [1]

حفظ وضبط:- امام صاحب کو حفاظ حدیث میں بہت بڑا مقام حاصل ہے، ابو حاتم کا بیان ہے کہ

"وہ حفظ کے اعتبار سے دنیا کے اماموں میں سے ایک امام تھے"

محمد بن مخلد فرماتے ہیں کہ "ابو داؤد رح ہزاروں حدیثوں کا مذاکرہ کیا کرتے تھے"

اور جب انہوں نے سنن مرتب کی تو تمام اہل زمانہ ان کے حفظ و تقدم کے معترف ہو گئے

امام نووی رح فرماتے ہیں کہ جمہور علمائے اسلام کو ان کے کمال حفظ کا اعتراف ہے [2]

جرح تعدیل:- امام ابو داؤد رح کو حدیث کے علل سے ایک لگاؤ تھا، اور اس سلسلہ میں آپ کو ملکہ راسخہ عطا ہوا تھا، جیسا کہ ممتاز علماء نے جرح تعدیل میں آپ کی مہارت کا اعتراف کیا ہے۔

آپ کی قوت تمیز، نقد و نظر پر اساطین فن کا اتفاق ہے۔

احمد بن محمد بن لیسین الھروی فرماتے ہیں:-

کان احد حفاظ الاسلام للحدیث وعلمہ وعللہ وسندہ

فی اعلیٰ درجۃ مع النسک والعفاف والصلاح والورع [3]

اور ابو حاتم بن حبان کا ارشاد ہے:-

کان احد ائمۃ الدنیا فقھا وعلما وحفظا

ونسکا ورعا واتقانا، جمع وصنف وذب عن السنن

ابن مندہ کا بیان ہے:-

احادیث کی تخریج، معلول وثابت اور غلط وصحیح میں تمیز کرنے والے چار آدمی ہیں، امام بخاری، امام مسلم ان کے بعد ابو داؤد اور نسائی۔

ورع تقویٰ:- مسلم بن قاسم آپ کے ورع و تقوے کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"کان ثقۃ زاھدا، عارفا بالحدیث امام عصرہ فی ذالک"

---

[1] بستان المحدثین ص ۱۱۹ ماخوذ از تذکرۃ المحدثین ص ۲۸۷ [2] تہذیب ج ۴ ص ۱۷۲، تہذیب الاسماء واللغات ج ۲ ص ۲۲۴ [3] تاریخ بغداد ج ۹ ص ۵۷ +

اور حافظ ابوبکر الخلالی فرماتے ہیں :-

ابوداؤد الامام المتقدم فی زمانہ رجل لم یسبقہ الی معرفتہ بتخریج العلوم وبصرہ بمواضعہ احد فی زمانہ رجل ورع مقدم[1]

اسی طرح ابو حاتم بن حبان، احمد بن محمد بن یٰسین الھروی کے بیانات بھی آپ کے ورع و تقویٰ پر ایک منہ بولتی دلیل ہیں، شاہ عبدالعزیز صاحب لکھتے ہیں :-

"در حفظ حدیث و اتقان روایت و عبادت و تقویٰ و صلاح و احتیاط درجہ عالی داشت"[2]

اور حافظ ابن کثیرؒ نے اسی مدعا کو ان الفاظ میں پیش کیا ہے فرماتے ہیں :-

وکان فی اعلی درجہ النسك والعفاف والصلاح والورع[3]

امام کے ورع و تقویٰ کا اندازہ لگائیے۔

"آپ اپنی ایک آستین فراخ اور دوسری تنگ رکھا کرتے تھے جب آپ سے دریافت کیا گیا تو فرمایا "ایک آستین تو اس لئے کشادہ رکھتا ہوں کہ اس میں اپنی کتاب کے کچھ اجزاء رکھ لوں اور دوسری کشادہ رکھنا اسراف میں داخل سمجھتا ہوں"[4]

اور آپ کا یہ فعل ورع و تقویٰ کے ساتھ احتیاط فی الحدیث یا احتیاط فی الروایت کی بھی غمازی کرتا ہے۔

حدیث میں کمال :-

حدیث میں جلالت علم کا اعتراف کرتے ہوئے امام حاکمؒ فرماتے ہیں :-

"ابوداؤد امام اھل الحدیث فی عصرہ بلا مدافعۃ"

اور علان بن عبدالصمد نے یہ رائے قائم کی ہے :-

"کان من فرسان ھذا الشان"

حافظ محمد بن اسحٰق الصنعانی اور ابراہیم الحربی آپ کی مہارت تامہ کی داد ان الفاظ سے دیتے ہیں :-

"اُلین لابی داؤد الحدیث کما الین لداؤد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) الحدید"

---

۱ تاریخ بغداد (ج ۹ ص ۵۷) ۲ بستان المحدثین (ص ۱۱۸) ۳ والبدایہ والنہایہ (ج ۱۱ ص ۵۵)۔
۴ [illegible] ص ۱۱۹)

محمد بن لیث قاضی فرماتے ہیں :-

" خلق ابوداؤد فی الدنیا للحدیث وفی الآخرۃ للجنۃ

موسیٰ بن ہارون نے فرمایا :- ما رأیت افضل منہ "

امام کا فقہی ذوق اور فقہی بصیرت :-

امام جس طرح حدیث میں مقتدیٰ مانے گئے ہیں، اسی طرح آپ کو فقہ واجتہاد میں بھی ایک امتیازی حیثیت حاصل تھی، فقہی بصیرت اور عمیق نظر رکھنے کے سبب بعض علماء نے تو آپ کو فقہ واجتہاد میں امام بخاری کے بعد دوسرا درجہ دیا ہے، اور لکھا ہے کہ ان کے بعد امام ابو داؤد کا مرتبہ سب سے بلند ہے، اور پھر جملہ اصحاب تراجم وطبقات نے آپ کے اس وصف کا تذکرہ کیا ہے :-

صاحب شذرات[۱] اور علامہ یافعی[۲] نے آپ کو " رأسا فی الحدیث و رأسا فی الفقہ " کہا ہے "

آپ کے اس فروق اور بصیرت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگ سکتا ہے کہ آپ نے اپنی کتاب " کتاب السنن " کو صرف احکام ومسائل کے جمع ومرتب کرنے تک ہی محدود رکھا۔

چنانچہ امام ممدوح اپنے رسالہ مکیہ میں اس بات کی تصریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں :- وانما لم اصنف فی کتاب السنن الا الاحکام ولم اصنف فی الزھد وفضائل الاعمال وغیرھا فھذہ اربعۃ الاف والثمانمائۃ کلھا فی الاحکام فاما احادیث کثیرۃ صحاح من الزھد والفضائل وغیرھا فی غیر ھذا لم اخرجھا " ھ[۳]

امام ابو حاتم آپ کو " امام فقیہ قرار دیتے ہیں "

امام ابو اسحٰق شیرازی نے اصحاب صحاح ستہ میں سے صرف امام ابو داؤد ہی کو طبقات فقہاء میں شمار کیا ہے۔ اور یہ امتیاز آپ کو اسی فقہی بصیرت اور فقہی ذوق کی

---

[۳] مقدمہ غایۃ المقصود فی حل سنن ابی داؤد (ج ۱ ص ۵) ۔

بدولت حاصل ہوا ہے۔

○ **فقہی مذہب :-** ابو اسحٰق شیرازیؒ نے امام صاحب کا تذکرہ کرتے ہوئے اُن کی نسبت حنابلہ کی طرف کر دی ہے، اور بعض نے آپ کو شافعیؒ المذہب لکھ دیا، لیکن یہ محض درسی نسبت ہے۔ اور یہ غلط فہمی غالباً امام احمد بن حنبلؒ اور امام شافعی کے ساتھ اکثر و بیشتر مسائل میں موافقت کے سبب ہوئی ہے۔ حضرت نواب صدیق الحسن خاں صاحب قنوجی بھوپالوی امام ابن حزمؒ سے نقل فرماتے ہیں :-

ثم اتی بعد هؤلاء البخاری ومسلم وابوداؤد والنسائی ما منهم اتی بامام قبله فاخذ بقوله نتقلد به بل كل هؤلاء نهی عن ذالك وانكره۔ ؎۱ اهـ"

اسی طرح علامہ طاہر الجزائری کے بیان سے بھی آپ کے کسی دوسرے امام کے مقلد ہونے کی نفی اور تردید ہوتی ہے، چنانچہ رقمطراز ہیں :-

"اما البخاری وابوداؤد فاماما ن فی الفقه وكانا من اهل الاجتهاد۔"

رہا آپ کا ذکر طبقات حنابلہ میں، تو یہ اور اس قسم کے تمام سوالات جو تقلید ہی کی رسہ گیری کا نتیجہ ہیں، ان سب کا جواب امام بخاریؒ کے تذکرہ میں ہم لکھ آئے ہیں، اور وہ حقیقت و سچائی کے متلاشی کے لئے کافی ہے۔

وفات :- امام صاحب نے ۱۶ شوال بروز جمعہ ۲۷۵ھ کو ۷۳ برس کی عمر پا کر داعی اجل کو لبیک کہا ؎۲۔ عباس بن عبدالواحد نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ ؎۳

اولاد :- اولاد میں صرف ایک صاحب زادے ابوبکر عبداللہ جو ایک نامور محدث ہوئے ہیں، کا ہی ذکر ملتا ہے :-

تالیفات :- اپنی زندگی امام صاحب نے دین حنیف کی خدمت میں وقف کر رکھی تھی، اس سلسلہ میں آپ نے زیادہ تر تالیفی کام انجام دیا ہے

؎۱ اتحاف النبلاء للنواب صدیق الحسن خاں صاحب (ص ۲۵۶) ؎۲ ہدایۃ السائل لحضرت النواب ایضاً (ص ۵۲۳)

؎۳ حدائق الحنفیہ ... (ص ۲۱۲) [illegible]

جو ایک انمٹ اور گرانمایہ یادگار کی حیثیت رکھتا ہے، آپ کی تالیفات میں سے جن کا ہمیں علم ہو سکا ہے وہ درج ذیل ہیں :۔

(۱) کتاب الرد علی اہل القدر ——— اس کے راوی ابو عبداللہ بصری ہیں ———!

(۲) کتاب الناسخ والمنسوخ ——— اس کے راوی ابو بکرؒ ہیں ——— !

(۳) کتاب المسائل ——— اسے ابو عبید آجری نے روایت کیا ہے، اور اس میں وہ سوالات درج ہیں جو انہوں نے اپنے اُستاد حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے کئے تھے، اس کا ذکر کرتے ہوئے علامہ چلپی لکھتے ہیں :" [۱]

کتاب المسائل التی سأل عنہا الامام احمد بن حنبلؒ اھ" [۱] ———!

(۴) مسند مالک ——— اس کے راوی اسماعیل بن محمد صفار ہیں [۲] ———!

(۵) کتاب المراسیل ——— یہ رسالہ ۱۳۱۰ھ میں مطبع علمی سے شائع ہوا ہے، اور ۵۶ صفحات پر مشتمل ہے، اس میں امام صاحب نے صحیح مراسیل جمع فرمائی ہیں، اور سنن کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ میری کتاب السنن کا اٹھارھواں جز کتاب المراسیل ہے اور لکھا ہے :" وما یرذی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم من المراسیل منہا ما لا یصح ومنہا ما یسند عنہ وغیرہ وھو متصل صحیح" اس رسالہ میں مراسیل کی کل تعداد چھ سو ہے [۳] "———!

(۶،۷) کتاب المصابیح والمصاحف ——— اس کا ذکر ابن ندیمؒ اور علامہ چلپیؒ نے کیا ہے، اور علامہ چلپی نے اسے اپنے صاحب زادے کی طرف منسوب کیا ہے، ابن ندیم فرماتے ہیں کہ اول الذکر کا موضوع حدیث اور ثانی الذکر نام سے ظاہر ہے [۴] ———!

(۸) کتاب البعث والنشور

(۹) کتاب التفسیر

(۱۰) کتاب نظم القرآن

(۱۱) کتاب فضائل القرآن

---

[۱] کشف الظنون (ج ۲ ص ۲۹۹) [۲] کشف وکتاب الاسماء (ج ۲ ص ۳۲۶) [۳] رسالہ مکیہ ملحق بغایۃ المقصود [۴] الفہرست (۳۲۴) کشف ص ۳۰۱، ۵۵ج ۲

(۱۲) کتاب شریعۃ التفسیر
(۱۳) کتاب شریعۃ المقاریٔ
(۱۴) فضائل الاعمال
(۱۵) کتاب الزہد
(۱۶) دلائل النبوۃ
(۱۷) کتاب الدعاء
(۱۸) ابتداء الوحی
(۱۹) کتاب اخبار الخوارج
(۲۰) کتاب التفرد
(۲۱) فضائل الانصار [1]
(۲۲) کتاب السنن

کتاب السنن:- یہ امام ابوداؤدؒ کی معرکۃ الآراء تالیف ہے، آئندہ صفحات میں ہم اس کو اپنے متعلقات کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کریں گے۔ جو نہ صرف مفصل ابحاث پہ مشتمل ہوں گے، بلکہ پرمغز اور خاطر خواہ فوائد کے حامل بھی! واللہ الموفق +

مرویات سنن:- اس مجموعہ کی ترتیب و تالیف کا سلسلہ امام صاحب نے ۲۴۱ھ سے قبل بغداد میں انجام دیا [2] اور اسے پانچ لاکھ احادیث کے ذخیرہ سے منتخب کیا، اس کے بعد اسے اجزاء، کتب اور ابواب میں تقسیم کیا۔

چنانچہ اپنے "رسالہ مکیہ" میں مراسیل کے علاوہ کتاب السنن کے سترہ اجزاء بتائے ہیں۔ اسی طرح کتاب السنن میں (۳۵) کتابیں ہیں، اور ان میں تین ایسی کتابیں ہیں، جن پر امام صاحب نے ابواب قائم نہیں کئے، اور ابواب کی کل تعداد ۱۸۷۱ ہے اور کل احادیث ۴۸۰۰ ہیں۔ جیسا کہ امام صاحب فرماتے ہیں:-

---

[1] مقدمہ تہذیب التہذیب لابن حجرؒ [2] معالم السنن للخطابی، طبقات شافعیہ (ج ۲ ص ۴۸) تاریخ بغداد ج ۹ ص ۵۵

" لعل عدد الاحاديث التى فى كتبى من الاحاديث قدر اربعة الالاف حديث و ثمانماة حديث " [1]

اور یہی تعداد خطیب بغدادی علامہ سیوطی، اور شاہ عبد العزیز رح نے نقل کی ہے۔

سنن ابی داؤد کے متداول نسخے اور ان کے رواۃ :-

امام صاحب سے "سنن" کو روایت کرنے والے یوں تو سات تلامذہ ہیں۔ لیکن چار تلامذہ جو مشہور حفاظ حدیث سے شمار ہوتے ہیں، اور ان کے نسخے معتبر و متداول ہیں۔ یہاں ہم صرف انہی نسخوں کا ذکر کریں گے۔

راجح **نسخہ لؤلؤی :-** (یہ بیع لؤلؤ کی طرف نسبت ہے) امام حافظ ابو علی محمد بن احمد بن عمرو لؤلؤی البصری کا یہ نسخہ ہندوستان اور بلاد مشرق میں مروج ہے اور "سنن ابی داود" سے عند الاطلاق یہی مفہوم ہوتا ہے۔ لولؤی رح نے امام صاحب سے ۲۷۵ھ میں اسے روایت کیا، اور یہ روایت اصح المروایات مانی گئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ امام صاحب سے آخری وقت میں املا کیا گیا، اور اسی پر آپ کا انتقال ہوتا ہے۔ گویا یہ آخری نسخہ ہے، ان سے امام ابو عمر القاسم بن جعفر بن عبد الواحد الہاشمی اور حافظ عبد اللہ الحسین بن بکر بن محمد الوراق جو "ہراس" کے نام سے مشہور ہیں، ان دونوں نے روایت کیا۔

نسخہ ابن داسہ :- یہ امام حافظ ابو بکر محمد بن بکر بن محمد بن عبد الرزاق بن داسہ التمار البصری کا ہے، اس میں نسخہ لؤلؤی کے ساتھ قدرے یکسانیت پائی جاتی ہے، اور ایک دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ و نقص یعنی کمی بیشی سے مبرا ہیں، محض تقدیم و تاخیر کا اختلاف ہے، اور یہ نسخہ بلاد مغرب میں زیادہ مشہور ہے [2] ملا علی قاری شرح شفاء قاضی عیاض میں لکھتے ہیں:-

داسہ بمہملتین و تخفیف الثانیۃ عند الجمہور بصری وھو احد رواۃ ابی داؤد (انتہی)

---

[1] مقدمہ غایۃ المقصود (ص ۲ اعلام المحدثین ص ۲۲۷) [2] بستان المحدثین (ص ۱۱۹، ۱۲۰)۔

علامہ خطابی کے پاس یہی " ابن داسہ " کا نسخہ تھا، جسے انہوں نے براہ راست ۳۴۵ھ میں ابن داسہ سے قرأت کیا۔ بعض علماء اسی نسخہ پہ کامل اور جامع ہونے کا حکم[۱] لگاتے ہیں۔ لیکن یہ کس حد تک درست ہے؟ اس کے متعلق اگلے صفحات میں ہم تحقیق ذکر کریں گے انشاء اللہ۔

نسخہ رملی:- یہ نسخہ امام حافظ ابو عیسیٰ اسحٰق بن موسیٰ بن سعید الرملی متوفی ۳۲۰ھ " وراق امام ابوداؤد کی کاوش کا نتیجہ ہے۔ رملہ، فلسطین کا ایک شہر ہے۔ اور حافظ رملی سے حافظ ابو عمر احمد بن رحیم بن خلیل نے روایت کیا، ان کا کہنا ہے کہ ہمیں یہ نسخہ ابو عیسیٰ الرملی نے ۳۱۷ھ میں بیان کیا۔ اھ

نسخہ ابن الاعرابی:- کتاب السنن کا یہ چوتھا نسخہ امام حافظ ابو سعید احمد بن محمد بن زیاد بن بشر المعروف " بابن الاعرابی " کا ہے۔ دوسرے متداول نسخوں کے مقابلہ میں یہ نسخہ نامکمل ہے۔ چنانچہ علامہ خطابی رح لکھتے ہیں:-

" ان روایۃ ابن الاعرابی یسقط منہا کتاب الفتن والملاحم والحروف والخاتم ونحو النصف من کتاب اللباس وفاتہ ایضا من کتاب الوضوء والصلوۃ والنکاح اوراق کثیرۃ اھ[۲] "

ابن الاعرابی کی روایت میں کتاب الفتن، والملاحم والحروف والخواتم مکمل اور کتاب اللباس نصف کے قریب ساقط ہیں، اسی طرح کچھ اوراق کتاب الوضوء، کتاب الصلوٰۃ اور کتاب النکاح کے بھی ضائع ہوگئے ہیں۔

تنبیہ:- یہ بات خصوصیت سے یاد رکھنے کی ہے کہ " ابن الاعرابی " کے نسخہ میں صرف ابواب اور روایات کی کمی ہی نہیں بلکہ نسبتاً کچھ زائد روایات بھی ہیں مثلاً " وضع الیدین تحت السرۃ " کی روایت صرف ابن الاعرابی ہی کے نسخہ میں ہے، اور طرح تتبع اور تلاش سے ایسی متعدد امثلہ مل سکتی ہیں۔ والحمد للہ۔

ابن الاعرابی سے اس نسخہ کو ابو اسحٰق ابراہیم بن علی بن محمد بن غالب التمار اور ابو عمر احمد بن سعید بن حزم اور ابو حفص عمر بن عبد الملک الخولانی نے روایت کیا ہے۔

---

[۱] تذکرۃ المحدثین (ص ۲۹۸، ۲۹۹) [۲] معالم السنن (ص ۲۳ و مقدمہ غایۃ المقصود ص ۷)

تمام نسخوں میں راجح نسخہ:- ابن الاعرابی کے نسخہ کے علاوہ دوسرے تینوں نسخے" نسخہ لولوی، نسخہ رملی، نسخہ ابن داسہ" تقدیم وتاخیر کے اعتبار سے مختلف اور احادیث کی تعداد کے اعتبار سے یکساں سمجھے جاتے ہیں، جب کہ ابن الاعرابی کا نسخہ سخت نامکمل ہے۔ اس کے علاوہ علماء نے لکھا ہے کہ مذکور الفوق تینوں نسخوں میں صرف اس بات کا فرق ہے کہ جن احادیث پر امام ابوداؤدؒ نے کلام کی ہے، وہ کسی میں کم اور کسی میں زیادہ ہیں لیکن علامہ شمس الحق صاحب محدث ڈیانوی نوراللہ مرقدہٗ نے اس پر تعاقب کرتے ہوئے فرمایا ہے:-

"کہ یہ سہو اور تسامح ہے کیونکہ بہت سی ایسی روایات ہیں، جو" ابن داسہ" کی روایت میں موجود ہیں، اور لؤلؤی کی روایت میں ناپید ہیں جیسا کہ میں نے شرح ابی داؤد میں ایسے مقامات پر نشان دہی کی ہے اھ" [1]

ہاں ابوعلی لؤلؤی کے نسخہ کو جو ہند اور بلاد مشرق میں مشہور اور عند الاطلاق مفہوم ہوتا ہے، اس اعتبار سے راجح قرار دیا جاسکتا ہے۔ کہ یہ امام ممدوح سے سب سے آخر میں املا کیا گیا ہے، جیسا کہ ہم اس نسخہ کے تذکرہ میں لکھ آئے ہیں۔

کتاب السنن اہل فن کی نظر میں:- کتاب السنن کی افادیت میں کس کو شک ہوسکتا ہے، تاہم اہل فن کی آراء کو ذکر کرنا ایک بیش قیمت خزانہ سے نقاب کشائی، اور فائدہ عام کو مستوجب ہوگا۔ امام ابوداؤدؒ نے سب سے پہلے اپنی اس تالیف کو اپنے استاد حضرت امام احمد بن حنبل رحؒ کے روبرو پیش کیا، تو انہوں نے انتہائی خوشی کا اظہار فرمایا اور بہت پسند کیا، علامہ خطیب بغدادی رقمطراز ہیں:-

" وعرضہ علی احمد بن حنبلؒ فاستجادہ و استحسنہ" [2]

محدث زکریا الساجی فرماتے ہیں:-

---

[1] اعلام المحدثین ص ۷، ۲۲، عون المعبود شرح سنن ابی داؤد ج ۴ ص ۵۰۷ ط بیروت [2] مقدمہ تلخیص منذری ص ۵ تاریخ بغداد ج ۹ ص ۵۶۔

"کتاب اللہ عزوجل اھل الاسلام وکتاب السنن لابی داؤد عہد الاسلام"

سنن کی افادیت کے بارے میں حافظ محمد بن مخلد متوفی ۳۳۱ھ جو امام موصوف کے شاگرد ہیں بیان فرماتے ہیں :-

"لما صنف السنن وقرأہ علی الناس صار کتابہ لاھل الحدیث کالمصحف یتبعونہ" [1]

کہ جب امام ممدوح نے سنن کو تالیف کرکے عوام پر قرأت کیا تو یہ اہل حدیث کے نزدیک مصحف کی حیثیت اختیار کر گئی، وہ اس کی اتباع کیا کرتے تھے۔ حضرت امام غزالیؒ نے اس کتاب کے متعلق یوں ارشاد فرمایا ہے :-

کہ علم حدیث میں صرف یہی ایک کتاب مجتہد کے لئے کافی ہے اھ [2]

سنن کے بارے میں حافظ ابن حزم ایک واقعہ نقل کرتے ہیں :- کہ حافظ سعید بن سکن صاحب الصحیح المتوفی ۳۵۳ھ کی خدمت میں اصحاب حدیث کی ایک جماعت حاضر ہوئی، انہوں نے کہا کہ ہمارے سامنے احادیث کی بہت سی کتب آگئی ہیں، اگر شیخ اس سلسلہ میں کچھ ایسی کتابوں کی طرف ہماری راہنمائی کریں کہ جن پر ہم اکتفا کرسکیں تو حافظ ابن السکن نے یہ سن کر کچھ جواب نہیں دیا۔ بلکہ اٹھ کر سیدھے گھر تشریف لے گئے، اور کتابوں کے چار بستہ لاکر اوپر تلے رکھ دیے، اور فرمانے لگے :-

ھذہ قواعد الاسلام، کتاب مسلم وکتاب البخاریؒ وکتاب ابی داؤدؒ وکتاب النسائیؒ اھ [3]

اور علامہ احمد بن محمد ابو سلیمان الخطابی متوفی ۳۸۸ھ نے اپنی مشہور کتاب معالم السنن شرح سنن ابی داؤد میں سنن کی افادی حیثیت اور مدح وستائش میں ایک طویل اقتباس نقل کیا ہے، چنانچہ رقمطراز ہیں :-

ان کتاب السنن لابی داؤد کتاب شریف لم یصنف فی

---

[1] تہذیب التہذیب لابن حجرؒ [2] فتح المغیث للسخاوی ص ۲۷ تہذیب الاسماء واللغات ص ۲۲۶ ج ۲

[3] شروط الائمۃ الستۃ ص ۲۶

علماء الدين کتاب مثله وقد رزق القبول من الناس کافة فصار حکما بین فرق العلماء وطبقات الفقهاء علی اختلاف مذاهبهم فلکل فیه ورود ومنه شرب وعلیه معول اهل العراق واهل المصر وبلاد المغرب وکثیر من مدن اقطار الارض فاما اهل خراسان فقد اولع اکثرهم بکتاب محمد بن اسماعیل ومسلم بن الحجاج ومن نحا نحوهما فی جمع الصحیح علی شرطهما فی السبک والانتقاد۔

"امام حاکم نیساپوری نے سنن ابی داؤد کو صحیح کہا ہے[2]" امام ابوداؤد کا اپنا بیان ہے کہ :-

میرے خیال میں قرآن پاک کے بعد اس کتاب (سنن ابی داؤد) کو سیکھنا لوگوں پر لازمی ہے، اتنا کسی اور چیز کا نہیں، اور اگر کوئی شخص اس کے علاوہ کوئی علمی بات نہ سیکھے تو وہ خاسر نہیں ہوگا، اور جو اس کو دیکھے، سمجھے اور غور کرے، اس کو اس کی قدر معلوم ہو جائے گی[3]

گویا امام صاحب کا یہ ایک بہت بڑا دعوی ہے جو ""

قائدے کے تحت بہت سچائی اور حقیقت کا حامل ہے، اور علامہ مزید فرماتے ہیں :-

"وقد جمع ابوداؤد فی کتابه هذا من الحدیث فی اصول العلم وامهات السنن واحکام الفقه ما نعلم متقدما سبقه الیه ومتاخرا لحقه فیه[4]"

اور حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں :-

"کل ما سکت علیه ابوداؤد فهو صحیح عنده[5]"

کہ جس حدیث پہ امام ابوداؤد سکوت فرمائیں وہ آپ کے نزدیک صحیح ہے۔

---

[1] معالم السنن ج ۱ ص ۷ ط حلب [2] فتح المغیث ص ۳۳ [3] رسالہ الی اہل مکہ ملحق بغایۃ المقصود
[4] معالم السنن [5] توضیح الافکار ج ۲ ص ۱۹۰ فتح المغیث ص ۲۹

سکوت ابی داؤد پر ہم اگلے صفحات میں انشاءاللہ تفصیل سے ایک عمدہ اور نفیس بحث کریں گے۔" واللہ الموفق "

کتابُ السنن میں امام ابوداؤدؒ کی شرائط :- "سنن ابی داؤد" کے بارہ میں مفصل شرائط نہیں مل سکیں، تاہم اس سلسلہ میں امام صاحب کا وہ رسالہ جو آپ نے سنن کے متعلق اہل مکہ کے استفسار پر لکھا تھا۔ متعدد معلومات اور فوائد کا حامل ہے۔ یہ مختصر سا "رسالہ مکیہ" کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں امام صاحب نے کافی حد تک سنن کی شرائط کو ذکر کیا ہے، چنانچہ اس رسالہ کا اقتباس ہم یہاں نقل کرتے ہیں، امام ممدوح رقمطراز ہیں :-

آپ لوگوں نے مجھ سے کتاب السنن کی احادیث کے متعلق پوچھا، آیا یہ میرے علم کے مطابق صحیح ترین حدیثیں ہیں؟ سو یہ تمام ایسی ہی ہیں، البتہ وہ حدیث جو دو صحیح طریقوں سے مروی ہو، اور ان میں سے ایک کا راوی اسناد میں مقدم ہو (یعنی اس کی سند عالی ہو، اور واسطے کم ہوں) اور دوسرے کا راوی حفظ میں بڑھا ہوا ہو، ایسی صورت میں کبھی اول الذکر طریقہ کو لکھ دیتا ہوں، حالانکہ میرے خیال میں مجھے ایسی دس حدیثیں بھی اپنی کتاب میں معلوم نہیں ہوتیں۔ اور میں نے باب میں ایک یا دو حدیثیں ہی نقل کی ہیں، گو اس باب کی اور صحیح حدیثیں بھی موجود تھیں، انہیں درج کرنے سے بہت کثرت ہو جاتی اور میرا مقصد یہ تھا کہ نفع جلد ہو۔ اور جب کسی باب میں، میں نے کسی حدیث کو دو یا تین طریقوں سے دہرایا ہے تو اس سبب سے کہ اس میں کوئی بات زائد تھی۔ اور کبھی تو اس میں دوسری احادیث کی نسبت صرف ایک ہی لفظ زیادہ تھا۔ اور بعض دفعہ میں نے ایک طویل حدیث کو مختصراً ذکر کیا ہے۔ کیونکہ پورا نقل کرنے کی صورت میں بعض سامعین کو پتہ نہ چلتا، اور جو فقہ کا مسئلہ تھا وہ سمجھ ہی میں نہ آتا۔ تو ان وجوہات کے سبب اس کا اختصار کرنا پڑا۔

رہی مرسل احادیث سو ان سے گزشتہ عہد کے علماء جیسے کہ سفیان ثوری، مالک بن انسؒ اور اوزاعی حجت پکڑتے تھے، یہاں تک شافعی آئے اور انہوں نے ان پر کلام کرنا شروع کیا اور احمد بن حنبل وغیرہ نے اس باب میں ان ہی کی اتباع کی، اللہ ان سب کو اپنی رضا نصیب کرے سو جب کوئی "مسند روایت" مرسل روایت کے خلاف موجود نہ ہو اور مسند روایت نہ پائی جائے تو ایسی صورت میں مرسل روایت کو بھی مانا جائے گا، لیکن وہ قوت میں متصل روایت کے برابر نہیں ہے"۔

" اور کتاب السنن جس کو میں نے تصنیف کیا ہے، اس میں کسی متروک الحدیث شخص سے کوئی روایت نہیں ہے، اور اگر اس میں کوئی منکر روایت آگئی ہے، تو میں نے اس کا منکر ہونا بیان کر دیا ہے اور ایسا اس صورت میں ہوا ہے، جب کہ اس باب میں اس کے علاوہ اور کوئی روایت نہ تھی"۔

" اور یہ وہ حدیثیں ہیں کہ ابن مبارک اور وکیع کی کتاب میں ان میں سے بہت تھوڑی روایات ہیں، ان کتابوں میں زیادہ مراسیل درج ہیں اور مالک بن انس کی کتاب موطا اور اسی طرح حماد بن سلمہ اور عبدالرزاق کی مصنفات کی روایات اس کتاب کی تہائی کے برابر بھی نہیں ہیں"۔

اور میری کتاب میں ایسی حدیث جس میں ذرا زیادہ کمزوری تھی، تو اس کو میں نے بیان کر دیا ہے، اور اس میں ایسی روایت بھی آگئی ہے جس کی سند صحیح نہیں، اور جس روایت کے بارے میں میں نے کچھ نہیں کہا تو وہ ٹھیک ہے، اور ان سے بعض بعض سے صحت میں بڑھی ہیں، اور اگر یہ کتاب میرے سوا کسی اور کی لکھی ہوتی تو پھر میں اس کے بارے میں اس سے بھی زیادہ کہتا، اور یہ ایسی کتاب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو سنت بھی ٹھیک اسناد سے تمہیں ملے گی وہ اس میں موجود ہو گی، اِلاّ یہ کہ وہ کوئی ایسی بات ہو جو حدیث سے استنباط

کی گئی ہو۔

"میرے علم میں قرآن کے بعد جتنا اس کتاب کو سیکھنا لوگوں پر لازم ہے۔ اتنا کسی اور چیز کا نہیں، اور اس کتاب کے لکھ لینے کے بعد اگر کوئی شخص علم کی اور کوئی چیز نہ لکھے تو کچھ نقصان نہیں۔ جب کوئی شخص اس کتاب کو دیکھے گا، اور اس میں غور کرے گا، اور اس کو سمجھے گا تب اس کو اس کی قدر معلوم ہوگی۔"

ثوریؒ، مالکؒ اور شافعیؒ کے مسائل کی بنا ان ہی احادیث پر ہے۔ تاہم مجھے یہ بات پسند ہے کہ اس کتاب کے ساتھ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فتاویٰ کو بھی قلمبند کیا جائے، نیز کوئی ایسی کتاب بھی نقل کر لی جائے، جیسی کہ سفیان ثوری کی جامع ہے، کہ وہ لوگوں کی تصنیف کردہ سب جوامع میں سب سے اچھی ہے۔

کتاب السنن میں جس قدر میں نے احادیث درج کی ہیں، ان میں اکثر مشہور روایات ہیں، جو احادیث کو تھوڑا بہت لکھنے والے شخص کے پاس موجود ہیں۔ لیکن ان کو تمیز کرنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔

اور میں نے کتاب السنن میں صرف احکام ہی کو تصنیف کیا ہے، زہد اور فضائل اعمال وغیرہ کو تصنیف نہیں کیا، سو یہ چار ہزار آٹھ سو احادیث ہیں جو سب کی سب احکام پر مشتمل ہیں[1]۔

امام ابوداؤدؒ کے سکوت پر ایک نظر:۔ "رسالہ مکیہ" سے امام ابوداؤدؒ کی شرائط میں ہم ان کا یہ قول "جس روایت پر میں نے سکوت کیا ہے وہ حسن ہے"، نقل کر آئے ہیں، آپ کے اس قول کا محمل کس مفہوم کو ٹھہرایا جائے گا، ذیل میں اسی نکتہ کی وضاحت مطلوب ہے، حافظ ابن کثیرؒ کے بیان کے مطابق رسالہ مکیہ کے جس نسخہ میں یہ الفاظ ہیں اگرچہ وہ معتمد نسخہ ہے، تاہم یہ الفاظ محل نظر ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں:۔

---

[1] مقدمہ غایۃ المقصود، دار ابن ماجہ و علم حدیث (ص ۲۲۱، ۲۲۲)

لکن نسخۃ روایتنا والنسخ المعتمدۃ التی وقفنا علیها لیس فیها هٰذا اھ

اکثر ائمہ اصول اور متاخرین نے سکوت ابی داؤد کو حجت قرار دیا ہے، اور اس حدیث کو حسن کا مرتبہ دیا ہے، لیکن محققین نے ان سے اختلاف کیا ہے۔ شیخ الاسلام حافظ ابن حجرؒ نے اس پر مفصل بحث کی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:-

"امام ابوداؤدؒ کا یہ کہنا ما کان فیہ وھن شدید اس سے پتہ چلتا ہے، کہ ہر وہ روایت جس پر امام صاحب نے سکوت کیا ہے وہ ازروئے اصطلاح "حسن" قرار نہیں دی جا سکتی، بلکہ وہ چند مراتب پر محمول ہو گی۔

منه ما هو فی الصحیحین او علی شرط الصحة ومنه ما هو من قبیل الحسن لذاته ومنه ما هو من قبیل الحسن اذا اعتضد وهذان القسمان کثیر فی کتابه جداً ومنه ما هو ضعیف لکنه من روایة من لم یجمع علی ترکه غالبا وکل هذه الاقسام عنده یصلح للاحتجاج بها کما نقل ابن منده عنه انه یخرج الحدیث الضعیف اذا لم یجد فی الباب غیره

پھر امام صاحب کے اس قول کو امام احمد بن حنبلؒ کے قول "والحدیث الضعیف احب الی من الرأی" کے مشابہ قرار دیا ہے، اور شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ سے نقل فرماتے ہیں:-

"اعتبرت لمسند احمد توجیهه موافقا لشرط ابی داؤد

علاوہ ازیں قابل غور یہ بات بھی ہے، کہ امام ابوداؤدؒ تو ابن لھیعہ، صالح مولی التوأمہ، عبداللہ بن محمد بن عقیل، موسیٰ بن وردان، سلمۃ بن الفضل، اور دلھم بن صالح جیسے ضعیف رواۃ کی روایت پر بھی سکوت کرتے ہیں۔ اسی طرح حارث بن وجیہ، صدقہ الدقیقی، عثمان بن واقد وغیرہ سے روایت لی ہے، اور سکوت کیا ہے

سلہ النکت لابن حجر عسقلانی ص۱۰ا مخطوطہ (یہ مخطوطہ صدیق محترم جناب ارشاد الحق صاحب متعلم ادارہ علوم اثریہ کے پاس موجود ہے)۔

کیا ایسی روایات کو بھی "حسن" قرار دیا جائے گا۔

نیز امام ابوداؤد رحؒ کے مذکورہ قول کو امام احمد بن حنبلؒ کے قول کے ہم معنی ماننے پر ایک قوی قرینہ یہ بھی ہے، کہ سنن میں بعض ایسی روایات بھی ہیں جن میں امام صاحب نے اپنی دوسری کتب کے برعکس سکوت کیا ہے، مثلاً حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کتاب الطہارت میں ایک روایت یوں ہے :۔

انه سلم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلم یرد علیه حتی تیمم ثم رد السلام (الحدیث)

اس پر آپ نے سکوت کیا ہے، لیکن "کتاب التفرد" میں اس پر کلام کی ہے اور فرماتے ہیں :۔

"لم یتابع احد محمد بن ثابت علی هذا ثم حکی من احمد بن حنبل رح انه قال هو حدیث منکر"

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رح یہ بحث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں :۔

"فالصواب عدم الاعتماد علی مجرد سکوته لما وصفنا انه یحتج بالاحادیث الضعیفة ویقدمها علی القیاس

اور مزید فرماتے ہیں :۔ کہ

"امام صاحب کا ایسی حدیث کے بارے میں "انه صالح" کہنا اس سے مراد صالح للحجۃ، صالح للاستشهاد اور صالح للمتابعۃ بھی ہو سکتا ہے، تو صرف صالح للحجۃ ہی مراد لینا کیونکر درست ہے؟"

علامہ عراقی رح نے بھی "النکت" میں اس پر بحث کی ہے، چنانچہ ایک مقام پر رقمطراز ہیں :۔

"اقول بل قد یکون ضعیفا عند ابی داؤد نفسه کما یوخذ من کلام ابن العماد بن کثیر حیث تعقب کلام ابن الصلاح فقال ان لابی عبید الآجری عن ابی داؤد اسئلة فی الجرح والتعدیل والتصحیح والتعلیل ومن ذالك احادیث قد ذکرها فی سننه"

حضرت مولانا عبید الرحمٰن محدث مبارک پوری مدظلہ العالیٰ شارح "مشکوٰۃ المصابیح" نے اپنی شرح مرعاۃ المفاتیح میں بھی اس مسئلہ پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے[1]

تنبیہ :- یاد رہے کہ اکثر متاخر محدثین کے نزدیک یہ بات گویا متحقق ہے کہ جہاں علامہ منذری رح امام ابوداؤد رح کی موافقت کریں، وہ روایت حد ضعف سے خارج ہوگی، لیکن یہ قاعدہ بھی استقرائی ہے، جسے کلی طور پر تسلیم نہیں کیا جا سکتا ہے، مثال کے طور پر امام صاحب رح نے حضرت انس رض سے ایک روایت یوں نقل فرمائی ہے :-

ثلاث من اصل الایمان، الکف عمن قال لا الٰہ الا اللہ لا تکفرہ بذنب ولا تخرجہ من الاسلام بعمل والجہاد ماض منذ بعثنی اللہ الحدیث (کتاب الجہاد)۔

یہ حدیث مشکوٰۃ المصابیح کے ابواب الکبائر و علامات النفاق کی فصل ثانی میں بھی مذکور ہے، امام ابوداؤد اور امام منذری رح نے اگرچہ اس پر سکوت کیا ہے لیکن اس کی سند میں "یزید بن ابی نشبہ" مجہول ہے، اس قسم کی اور بھی بہت سی امثلہ مل جاتی ہیں، تفصیل کے لئے "استدراک" کی طرف مراجعت کیجئے۔ وللہ الحمد۔

سنن ابی داؤد کی خصوصیات :-

"سنن ابی داؤد" کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے۔ کہ وہ صرف احکام و مسائل سے متعلق روایات پر مشتمل ہے، امام صاحب رح سے پہلے اس قسم کی کتابیں لکھنے کا رواج نہ تھا، بلکہ ان کا تعلق احکام، تفسیر و قصص، اخبار و مواعظ اور ادب و زہد وغیرہ سے تھا، یعنی وہ جوامع اور مسانید تھیں جیسا کہ "رسالہ مکیہ" میں امام صاحب نے خود ہی ذکر کیا ہے، اور آپ نے ایک انوکھی راہ اختیار کی ہے، لہٰذا اپنی اسی خصوصیت کی بناء پر یہ کتاب ائمہ اور علماء آثار کی توجہات کا مرکز بن گئی ہے، جیسا کہ امام نووی رح فرماتے ہیں :-

"فاما السنن المحضۃ فلم یقصد احد منہم جمعہا واستیفادہا ولم یقدر علی تلخیصہا واختصار مواضعہا من اثنا تلک الاحادیث الطویلۃ

---

[1] دیکھئے مرعاۃ المفاتیح (ج ۱ ص ۸۱ : ۸۲)۔

کما حصل لابی داؤد ولهذا احل کتابه عند ائمة اهل الحدیث و علماء الاثر محل العجب فضربت فیه اکباد الابل ودامت الیه الرحل اھ[1]"

(۲) فقہی احادیث کا جتنا بڑا ذخیرہ اس کتاب میں موجود ہے، وہ صحاح میں سے کسی دوسری کتاب میں نہیں، حافظ ابوجعفر بن زبیر غرناطی متوفی ۷۰۸ھ صحاح ستہ کی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں :-

"ولابی داؤد فی حصر احادیث الاحکام واستیعابها مالیس لغیره[2]"

اور اسی وجہ سے یہ کتاب فقہاء و مجتہدین کا معتمد علیہ مأخذ رہی ہے۔

(۳) جامع ترمذی کی طرح سنن ابی داؤد کی بھی اکثر و بیشتر روایات ائمہ مجتہدین، تابعین و تبع تابعین اور فقہاء امت کی معمول بہا رہی ہیں، خصوصاً امام مالک رح، امام سفیان ثوری رح، امام اوزاعی رح وغیرہ محدثین و فقہاء کے مسالک و مذاہب کے لئے یہ کتاب اصل و بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔

علامہ خطابی رح فرماتے ہیں کہ یہ فقہاء و مجتہدین کے اختلاف میں حکم اور حجت ہے

"وعلیه معول اهل العراق ومصر والمغرب وکثیر من اقطار الارض[3]"

(۴) کتاب السنن میں صحیح الاسناد، قوی، متصل اور مرفوع احادیث کا خاص اہتمام کیا گیا ہے۔ اس کی صحت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ امام صاحب نے پہلے پانچ لاکھ احادیث جمع کی تھیں اور پھر ان میں سے چار ہزار آٹھ سو احادیث کا انتخاب کیا جو ایک بسوط مجموعہ کی شکل میں ہمارے سامنے ہے، اور اس کی صحت کے بارے میں ہم "کتاب السنن" میں امام صاحب کی شرائط کے تحت تفصیلاً لکھ آئے ہیں، تاہم امام صاحب کے اپنے بیان کے مطابق آپ نے اپنے علم و یقین سے صحیح بلکہ اصح روایات نقل کرنے کی کوشش فرمائی ہے، اور ہمیشہ ان احادیث کو ترجیح دی ہے، جو سند

---

[1] تہذیب الاسماء واللغات (ج ۲ ص ۲۲۷) [2] تہذیب الاسماء واللغات للامام نووی رح ج ۲ ص ۲۲۷ وتدریب الراوی تہذیب الاسماء واللغات ایضاً ج ۲ ص ۲۲۷، تذکرۃ المحدثین ص ۲۹۵

[3] معالم السنن ج ۱ ص ۱۱

کے اعتبار سے بلند اور اعلیٰ درجہ کی ہیں ۔ علامہ خطابی فرماتے ہیں :۔

"حکی لنا عن ابی داؤد انہ قال ماذکرت فی کتابی حدیثا اجتمع الناس علی ترکہ[1]"

(۵) سنن ابی داؤد کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے ۔ کہ امام صاحب ایک ہی سند اور ایک ہی متن میں متعدد اسانید اور مختلف متون کو جمع فرماتے ہیں ، اور ہر حدیث کی سند اور الفاظ کو علیحدہ علیحدہ بیان کرتے ہیں ۔

(۶) روایتوں کے تکرار سے کوئی کتاب خالی نہیں ، لیکن امام ابوداؤد رح نے تکرار سے حتی الامکان احتراز اور کثرت طرق کو نظر انداز اور طویل احادیث کو مختصر کر دیا ہے ، تکرار سے اس وقت کام لیتے ہیں ، جب اس روایت میں کوئی خاص بات یا نئے مسئلہ کا استنباط مقصود ہو ۔

(۷) آپ نے روایت میں جامعیت کے ساتھ حسن ترتیب و تالیف کو بھی ملحوظ رکھا ہے ، علامہ خطابی فرماتے ہیں :۔

" الا ان کتاب ابی داؤد احسن وضعاً "

(۸) ضرورت کے مطابق بعض مقامات پر اسماء و کنیٰ کے علاوہ رواۃ کے القاب کی وضاحت کر دی ہے ۔ اسی طرح رواۃ کی ثقاہت و عدم ثقاہت یعنی جرح و تعدیل کو بیان کرتے ہوئے روایات کے حسن و قبح اور صحت و سقم کی بھی وضاحت کی ہے ۔

(۹) امام صاحبؒ نے غریب اور شاذ روایات کے بجائے مشہور اور معمول بہ روایات کے جمع کرنے کا خاص خیال رکھا ہے ۔

(۱۰) سنن میں ایک ثلاثی روایت بھی ہے ۔[2]

سنن ابی داؤد اور اس کے ناقدین :۔

کتاب السنن میں امام صاحب کا "سکوت" علماء فن کی بحث و نظر کا خاص طور پر موضوع رہا ہے ، پچھلے صفحات میں ۔ ہم اس موضوع پر بحث کر چکے ہیں ، جس کا خلاصہ یہ ہے ، کہ بعض علماء نے ایسی احادیث کو صحیح و حسن تسلیم کیا ہے

---

[1] معالم السنن ج ۱ ص ۶ [2] الحطہ ص ۱۰۵ ۔

لیکن حتمی طور پر تسلیم کر لینا محل نظر ہے، کیونکہ مکمل استقراء اور تتبع سے ایسے مقامات پر بھی سکوت ملتا ہے، جن میں رقم شدہ احادیث ضعیف ہیں، سکوت سے قطع نظر امام صاحب رحؒ نے اپنی کتاب میں ضعیف احادیث کا مشروط طور پر اقرار بھی کیا ہے، جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے۔ اس پہ مستزاد یہ کہ علامہ ابن جوزی رحؒ نے کتاب السنن کی ۹ احادیث کو سرے سے موضوع قرار دیا ہے[۱]۔ علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے ان احادیث کی تعداد ۴ چار بتلائی ہے۔

حضرت مولانا علامہ عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری شارح ترمذی، تحفۃ الاحوذی کے مقدمہ میں ایسی احادیث کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

"منہا ما ھو فی سنن ابی داؤد وھی اربعۃ احادیث منہا صلوٰۃ التسبیح"[۲]

لیکن موضوع روایات کے متعلق "۹ نو" اور "۴ چار" دونوں کی تصریح محل نظر ہے، کیونکہ "الفوائد المجموعۃ" لامام شوکانی رحؒ اور اس کے علاوہ کتب موضوعات کے مطالعہ سے ہمیں "سنن ابی داؤد" کی کل ۱۱ گیارہ روایات ملی ہیں، جنہیں علامہ ابن جوزی رحؒ نے موضوعات میں شمار کیا ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحؒ نے "التعقبات" کے نام سے ان احادیث سے جن پر وضع کا حکم لگایا گیا ہے دفاع کیا ہے، اور "کتاب السنن" کی احادیث کا بھی تفصیل سے جواب دیا ہے، علامہ خطابی رحؒ اس سلسلہ میں کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

"محدثین کے نزدیک حدیث کی تین قسمیں ہیں۔ صحیح، حسن، سقیم، امام ابوداؤد رحؒ کی کتاب صحیح اور حسن دونوں کی جامع اور سقیم کی مختلف بڑی اور اہم قسموں مثلاً موضوع، مقلوب اور مجہول وغیرہ سے یکسر خالی ہے، اگر شاذ و نادر سقیم کی معمولی اور چھوٹی قسموں کی روایتیں درج ہیں، تو امام صاحب ان کی حقیقت و نوعیت بیان کرکے اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو چکے ہیں"[۳]

---

۱ مقدمہ [illegible] ۲ [illegible] ۳ معالم السنن [illegible]

قبل اس سے کہ ہم "کتاب السنن" کی ان روایات کے بارے میں کچھ کہیں، جنہیں امام ابن جوزی رح نے موضوع کہا ہے، یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ ہم نے کتاب الموضوعات کی ایک ایک روایت کو دیکھا، لیکن امام ابوداؤد رح کے واسطہ سے سنن کی کوئی روایت نہیں ملی۔ چنانچہ استقراء سے یہ معلوم ہوا کہ علامہ ابن جوزی رح نے جن روایات کو موضوع کہا ہے، دراصل وہ متن کی یکسانیت کے اعتبار سے ہیں، اور سنداً تطابق نہیں ہے، اور محدثین کی ایک جماعت کا یہ طریقہ رہا ہے کہ انہوں نے ایک حدیث کی ایسی سند کو دیکھ کر اس پر وضع کا حکم لگا دیا ہے، کہ جس میں متہم بالکذب یا متروک راوی ہو، اگرچہ وہ روایت دوسرے صحیح طریق سے مروی ہو، ظاہر ہے کہ یہ عدم علم کی بدولت تھا، علامہ ابن جوزی رح کے حکم وضع کی بھی یہی نوعیت ہے کہ انہوں نے غیر صالح سند سے سنن میں مروی روایات پر وضع کا حکم لگایا، حالانکہ وہ سنن کی سند کے ساتھ حکم وضع سے خارج ہیں۔

علامہ جلال الدین سیوطی رح ۹۱۱ھ اسی مفہوم کو اپنے الفاظ میں یوں ذکر فرماتے ہیں:۔

واعلم انه جرت عادة الحفاظ کالحاکم وابن حبان والعقیلی وغیرهم انهم یحکمون علی حدیث بالبطلان من حیثیة سند مخصوص لکون راویه اختلق ذالك السند لذالك المتن معروفاً من وجهٍ آخر ویذکرون ذالك فی ترجمة ذالك الراوی یجرحونه به فیغتر ابن الجوزی رح بذالك ویحکم علی المتن بالوضع مطلقاً ویوردہ فی کتاب الموضوعات ولیس هذا بلائق اھ[1]

ذیل میں ہم "سنن ابی داؤد" کی ان روایات کی نشان دہی ضروری خیال کرتے ہیں جنہیں علامہ نے موضوع کہا، اور وہ سنن میں صحیح سالم طریق سے مروی ہیں۔

امام ابن جوزی رح اپنی موضوعات (ج ۳ ص ۲۳۰) میں ایک روایت ذکر کرتے ہیں، جس کے الفاظ یہ ہیں:۔

(۱) "روی محمد بن المهاجر عن یزید بن هارون عن حماد بن

---

[1] نقلاً عن ذیل قول المسدد (ص ۷۳)۔

سلمة عن خالد الحذأ عن عمرو بن کردی عن یحیی بن یعمر عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ کان یورث المسلم من الکافر ولا یورث الکافر من المسلم ویقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول (الاسلام یزید ولا ینقص) ...."

اس کے بعد فرماتے ہیں :۔

"ھذا باطل، المتھم بوضعہ محمد بن المھاجر قال ابن حبان کان : یضع الحدیث، وقد رواہ فغیر اسنادہ ولفظہ" یہی روایت ابوداؤد میں "باب ھل یرث المسلم الکافر" میں دوسرے طریق سے مروی ہے۔ علامہ سیوطیؒ الآلی میں اس پر تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

"قلت ھو بریٔ منہ فقد اخرجہ الطبرانیؒ والطیالسی واحمدؒ والحاکم وصححہ ولم یتعقبہ الذھبی انتھی ملخصاً" [1]

اور ذیل "القول المسدد" میں ہے۔

"اخرجہ ابوداؤد من وجھین وسکت علی ھذا فھو صالح عندہ" [2]

(۲) اور کتاب الموضوعات (ج ۳ ص ۵۵) میں ایک روایت بواسطہ عبدالکریم ذکر کرتے ہیں :۔

"عن جبیر عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یکون قوم فی آخر الزمان یخضبون بھذا السواد کحواصل الحمام لا یریحون رائحۃ الجنۃ"

اس کے بعد فرماتے ہیں :۔

"ھذا حدیث لا یصح عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والمتھم بہ عبدالکریم بن ابی المخارق ابوامیۃ البصری .... قال احمد لیس بشئ یشبہ المتروک وقال الدارقطنی متروک اھ"

یہ روایت سنن ابی داؤد کتاب الترجل کے اواخر میں "باب ماجاء فی

---

[1] اللآلی المصنوعۃ (ج ۲ ص ۲۳۴) [2] ذیل موضوعات (...)

خضاب السواد" میں ہے، ابن جوزی کی سند "عبید اللہ" تک تو امام ابوداؤد رح کی اسناد کے مطابق ہے، اور اس سے اوپر مختلف! پھر ابن جوزیؒ نے اسے عبدالکریم بن ابی المخارق کی وجہ سے موضوع کہا ہے، حالانکہ یہ ان کا وہم ہے، یہاں عبدالکریم سے مراد الجزری ہیں، ابن ابی المخارق نہیں، جیساکہ علامہ منذری نے تلخیص السنن میں وضاحت کی ہے۔

نیز یہ روایت سنن نسائی کی کتاب الزینۃ اور ابن حبان، المستدرک للحاکم اور ابویعلی میں مروی ہے، اور حافظ ضیاء الدین المقدسی نے اسے الاحادیث المختارہ مماليس فی الصحیحین میں ذکر کیا ہے، کیونکہ عبدالکریم الجزری سے شیخین نے احتجاج کیا ہے، بنابریں ابن جوزی کا اس روایت کو موضوع کہنا ان کے وہم پر دال ہے

(۳) تیسری روایت وہ ہے جسے امام ابن جوزیؒ نے صلوٰۃ التسبیح میں ذکر کیا ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اس کی سند سنن کی سند سے بشر تک یکساں ہے، یعنی متحد ہے، اور سنن میں اوپر کے راوی امام ابوداؤد رح خود ہیں۔ امام ابن جوزی اور علامہ سیوطی رح نے عبداللہ بن الامام ذکر کیا ہے، امام ابن جوزی رح اس طریق کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

اما طریق الثانی فان موسیٰ بن عبدالعزیز مجهول عندنا۔[1]

لیکن امام ابن الجوزیؒ کا "موسیٰ بن عبدالعزیز" کو مجہول کہنا زیادتی ہے، شیخ الاسلام حافظ ابن حجر "الخصال المکفرہ للذنوب المقدمہ والمؤخرہ" میں فرماتے ہیں:۔

أساء ابن الجوزی بذکر هذا الحديث فی الموضوعات وقوله موسى بن عبدالعزيز مجهول لم يصب فيه فان ابن معين و النسائی وثقاه[2]

اور امالی الاذکار میں رقمطراز ہیں:۔

"هذا الحديث اخرجه البغدادی فی جزء القراءة خلف الامام و ابوداؤد وابن ماجه وابن خزيمه فی صحيحه والحاكم فی مستدركه وصححه البيهقی وغيرهم۔[3]

---

[1] موضوعات ج ۲ ص ۱۴۵ [2] عون المعبود شرح سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۴۹۹ [3] ایضاً

علامہ سیوطی رحمہ نے اللآلی میں اس پر تفصیل سے بحث کی ہے[1]

(۴) امام ابن جوزیؒ نے "باب الصلوٰۃ فی النعل" کے تحت حضرت معاذ بن جبل، ابی ہریرہ، جابر اور انس رضی اللہ عنہم سے روایات ذکر کی ہیں، جبکہ موضوعات میں تمام مذکورہ واسطے مخدوش ہیں، اور اسی وجہ سے ابن جوزیؒ نے صلوٰۃ فی النعل کی احادیث[2] پر وضع کا حکم لگایا ہے، علامہ سیوطی رحمہ نے اللآلی[3] میں اس کے شواہد پیش کئے ہیں، علامہ شوکانی رحمہ "الفوائد المجموعۃ[4]" میں لکھتے ہیں:-

"وقد ثبت فی الاحادیث الصحیحۃ، الثابتۃ عن اکثر من ثلاثین صحابیا فی الصلوٰۃ فی النعال مالا یحتاج معہ الی احادیث الکذابین"

اس کے بعد رقمطراز ہیں:-

"منها: صلوا فی نعالکم وخالفوا الیهود (اخرجه ابوداؤد والحاکم وصححه)"

اور سنن[5] میں یہ روایت بطریق (مروان بن معاویہ الفزاری) عن ھلال بن میمون الرملی عن یعلی بن شداد بن اوس عن ابیہ" مرفوعاً مروی ہے۔

سنن ابی داؤد کے علاوہ صحیح ابن حبان۔ مستدرک للحاکم اور سنن الکبریٰ للبیہقی میں بھی یہ روایت مروی ہے[6] اور اس پر حکم وضع کسی حال میں درست نہیں۔

(۵) حدیث عبداللہ بن مسعودؓ فی عدم رفع الیدین الا عند افتتاح الصلوٰۃ"

ابن جوزی نے اسے "محمد بن جابر" کے واسطہ سے ذکر کیا ہے، اور ان کے بارے میں نقل فرماتے ہیں:-

قال یحیی "محمد بن جابر" لیس بشیء وقال احمد لا یحدث عنه الا من هو شر منه وقال الفلاس متروک الحدیث[7]

---

[1] اللآلی المصنوعہ ج ۲ ص ۲۷ تا ۲۸ [2] موضوعات ج ۲ ص ۹۵ [3] اللآلی المصنوعہ ج ۲ ص ۱۸ [4] الفوائد المجموعہ ص ۲۲ [5] سنن ابی داؤد مع عون المعبود ج ۱ ص ۲۴۲ [6] مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح للشیخ علامہ مولانا عبیداللہ رحمن مبارکپوری مدظلہ العالی ج ۱ ص ۵۰۲ [7] (موضوعات ج ۲ ص ۹۶، ۹۷)

سنن ابی داؤد میں بطریق عاصم بن کلیب مروی ہے[1]۔ عاصم بن کلیب پر جرح کے علاوہ علامہ نووی نے اس حدیث کی تضعیف پر محدثین کا اجماع نقل کیا ہے[2]۔ تاہم اسے موضوع کہنا درست نہیں۔

(۶) حدیث جابر رضی اللہ عنہ رواہ الخلال عن ابی الزبیر عن جابر قال اتی رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ان امرأتی لاترد ید لامس قال طلقھا قال انی احبھا قال فاستمتع بھا۔

ابن جوزیؒ نے اسے بے اصل اور موضوع کہا ہے[4]۔

سنن میں یہ روایت باب النہی عن تزویج من لم یلد من النساء[5] کے تحت حسین بن واقد عن عمارۃ بن ابی حفصہ عن عکرمہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ مروی ہے۔

واخرجہ النسائی ایضاً، قال المنذری

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی سے جب اس حدیث کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:۔

"انہ حسن صحیح، ولم یصب من قال انہ موضوع"

اور علامہ منذری مختصر السنن میں لکھتے ہیں:۔

"رجال اسنادہ محتج بہم فی الصحیحین علی الاتفاق والانفراد" بالجملہ فادخال مثل ھذا الحدیث فی الموضوعات مجازفۃ ظاھرۃ"[6]

(۷) حدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال ابن الجوزی انبأنا محمد بن عبد الملک انبأنا اسمٰعیل بن مسعدۃ انبأنا حمزۃ بن یوسف انبأنا ابو احمد بن عدی حدثنا احمد بن علی بن المثنی حدثنا عمارۃ بن زربی حدثنا المعتمر بن حفص بن النضر بن انس عن ابیہ عن جدہ عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "یا انس ازل الناس

---

[1] عون المعبود ج ۱ ص ۲۷۲ [2] اللآلی ج ۲ ص ۱۸، ۱۹ [3] الفوائد المجموعہ ص ۲۹ [4] موضوعات ج ۲ ص ۲۷۲ [5] عون المعبود ج ۲ ص ۱۷۵ [6] الفوائد ص ۱۲۹

ان الناس سیمصرون امصارا و یمصرون مصرا یقال لها البصرۃ قال انت اتیتها فسکنت فیها فأحییت مسجدها و سوقها و تبضها، واحسبه قال: وعلیها و علیک بضواحیها فسیکون خسف و مسخ. قال انس رض: فمن ھھنا سکنت القصر۔

اس کے بعد علامہ ابن جوزی رح فرماتے ہیں :-

" ھذا الحدیث لا یصح قال عبدان: کان عمار یکذب[1]"

اور سنن ابی داؤد میں یہی روایت[2]

من طریق عبد اللہ بن الصباح نا عبد العزیز بن عبد الصمد قال حدثنا موسیٰ الحناط لا اعلمہ الا ذکرہ عن موسیٰ بن انس عن انس بن مالک ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لہ یا انس الخ الحدیث۔

سنن کی اس روایت کے علاوہ بھی علامہ سیوطی رح نے اللآلی میں مزید شواہد پیش کئے ہیں، جب کہ سنن کی اس روایت کے تمام راوی رجال الصحیح سے ہیں[3] لہٰذا اس پر وضع کا حکم قطعاً صحیح نہیں ہے۔

(۸) حدیث علی رض قال غلا السعر فی المدینہ الخ۔ ابن جوزی رح نے اس روایت کو موضوع شمار کیا ہے، اور عدم صحت کا حکم صادر کیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سند میں عبد اللہ بن ایوب ابن ابی علاج موصلی پر جرح ہے اور اس کے بارے میں ابن عدی فرماتے ہیں :-

یروی " احادیث مناکیر" اور ابن حبان کا بیان ہے

یروی عن الثقاۃ ما لیس من احادیثھم انتھیٰ[4]

لیکن اس روایت کو امام دار قطنی نے حضرت علی رض سے مرفوعاً ذکر کیا ہے، حافظ ابن حجر رح فرماتے ہیں :-

---

[1] موضوعات ج ۲ ص ... [illegible]

"اغرب ابن الجوزی فاخرج هذا الحدیث فی الموضوعات عن علی رضی اللہ عنہ وقال: انہ حدیث لا یصح
سنن ابی داؤد میں یہ "باب فی التسعیر" میں بطریق حماد بن سلمہ ثابت عن انس ومالک وقتادہ عن انس مروی ہے، علاوہ ازیں اسے ترمذی، ابن ماجہ، دارمی، بزار، ابویعلی نے بھی مذکورہ طریق سے روایت کیا ہے، اور اس کی اسناد مسلم کی شرط پر ہے، اور ابن حبان اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔

وعند ابن ماجہ والبزار نحوہ من حدیث ابی سعید باسناد حسن، وعند الطبرانی فی الصغیر من حدیث ابن عباس وفی الکبیر من حدیث ابی جحیفہ ولاحمد وابی داؤد من حدیث ابی ھریرۃ واسنادہ حسن"

علامہ شوکانی الفوائد میں لکھتے ہیں:۔

"وحکم ابن الجوزی بکونہ موضوعاً من حدیث علی لا ینافی ثبوتہ من حدیث غیرہ کما ھو معروف من اصطلاح اھل الفن"

علامہ سیوطیؒ نے "اللآلی" میں اس پر تفصیل سے لکھا ہے:۔

(۹) حدیث ابی الدرداء عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال حبک الشیء یعمی ویصم "سنن ابی داؤد میں یہ روایت بطریق حیوۃ بن شریح نا بقیۃ عن ابی بکر ابن ابی مریم عن خالد بن محمد الثقفی عن بلال بن ابی الدرداء عن ابی الدرداء مذکور ہے، علامہ ابن جوزی اور حافظ سراج الدین القزوینی نے اسے موضوع کہا ہے، حضرت مولانا علامہ شمس الحق صاحب ڈیانویؒ شرح سنن میں شیخ الاسلام حافظ ابن حجرؒ سے اس پر تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

اما بلال فھو ثقۃ من کبار التابعین واما خالد فوثقہ ابو حاتم الرازی واما ابوبکر فھو ضعیف عندھم من قبل

ـلہ (عون المعبود ج ۳ ص ۲۸۶، ۲۸۷) ـلہ (الفوائد المجموعہ ص ۱۴۲) (تفصیل کے لئے دیکھئے اللآلی ج ۲ ص ۱۴۳)

حفظه وکان مستقیم الامر فی حدیثه فطرقته لصوص نتغیر عقله وصاد یأتی بالغرائب التی لا توجد الا عنده وغدوه فیمن اختلط ولم یتمیز [1] "

اور حافظ صلاح الدین العلائی فرماتے ہیں :۔

" ھذا الحدیث ضعیف لا ینتھی الی درجة الحسن اصلا ولا یقال فیه موضوع "

امام بیہقی شعب الایمان میں اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اسے امام بخاری اپنی تاریخ میں " ابی الدرداء " سے موقوفاً لائے ہیں، نیز علامہ عراقی نے بھی حکم وضع پہ تعاقب کرتے ہوئے لکھا ہے :۔

لیس لبتدید الضعف وھو حسن " [2]

لیکن بقیہ بن الولید اور ابوبکر بن عبداللہ بن ابی مریم الغسانی الشامی ان ہر دو میں مقال ہے ۔ جو سند کے ضعف پر دال ہے ، لہٰذا علامہ عراقی کی تحسین کو حسن لغوی پر محمول کیا جائے گا ۔

(۱۰) حدیث :۔ المرء علی دین خلیله فلینظر احدکم من یخالل

علامہ ابن جوزیؒ نے اس پر بھی وضع کا حکم صادر کیا ہے [3] اور یہ حدیث امام ابوداؤد " باب من یؤمر ان یجالس " کے تحت بطریق " ابن بشار ثنا ابو عامر وابوداؤد قال نا زھیر بن محمد حدثنی موسی بن وردان عن ابی ھریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه " لائے ہیں [4]

علامہ منذری فرماتے ہیں :۔ واخرجه الترمذی وقال حسن غریب "

جامع ترمذی میں یہ روایت بطریق موسیٰ بن وردان عن ابی ہریرہ ہے ۔

(۱۱) حدیث ابی ھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ما من احد یسلم علی الا رد اللہ الی روحی حتی ارد علیه السلام " رواہ ابن الجوزی من طریق

---

[1] عون المعبود شرح سنن ابی داؤد ج ۴ ص ۲۹۶، ۲۹۷ [2] الفوائد المجموعہ ص ۲۵۵ [3] الفوائد المجموعہ ص ۲۴۲ [4] سنن ابی داؤد ج ۴ ص ۲۶۹ ۔ ۲۷۰

محمد بن مہران عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ وقال لا یصح لہ[1]

سنن میں یہ روایت "باب زیارۃ القبور" میں بطریق محمد بن عوف نا المقری نا حیوۃ عن ابی صخر حمید بن زیاد عن یزید بن عبداللہ بن قسیط عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال الخ الحدیث، مذکور ہے، اور یہی روایت، بطریق حیوۃ اسی سند اور اسی متن کے ساتھ مسند احمد میں بھی مروی ہے۔ حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں:۔

"وقد صح اسناد ھذا الحدیث وسألت شیخنا ابن تیمیہ عن سماع یزید بن عبداللہ بن ابی ھریرۃ فقال کانہ ادرکہ وفی سماعہ منہ نظر انتہی کلامہ

علاوہ ازیں علامہ نووی نے "الاذکار" اور "ریاض الصالحین" میں اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

"شیخ الاسلام حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:۔ ورجالہ ثقات[2]"

اس قدر حفاظ کی تصحیح کے بعد اس حدیث کو موضوع کہنا کسی طرح بھی زیب نہیں دیتا، علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے "اللآلی المصنوعۃ"[3] میں اور علامہ شوکانی نے "الفوائد المجموعۃ"[4] میں اس پر تفصیل سے لکھا ہے، اور اس کے شواہد پیش کئے ہیں، جن سے حکم وضع کی تردید ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

سنن ابی داؤد کی شروح:۔

سنن ابی داؤد کی افادیت کے سبب ہر زمانہ کے علماء نے اسے قدر کی نگاہوں سے دیکھا ہے، اور اس کی اہمیت کو سامنے رکھتے ہوئے اس کی توضیح و تشریح اور مختصرات و حواشی لکھنے میں خاص طور پر دلچسپی لی ہے، ذیل میں ان شروح و مختصرات کا تعارف مقصود ہے۔

(۱) معالم السنن:۔ یہ شرح مشہور محدث امام ابو سلیمان احمد بن محمد خطابی م ۳۸۸ھ کی ہے۔ سب سے متقدم ہے۔ اور اسے مطبعہ علمیہ حلب نے ۱۳۵۱ھ میں نہایت اہتمام سے چار جلدوں میں شائع کیا ہے۔

---

[1] موضوعات ج ۱ ص [2] عون المعبود شرح سنن ابی داؤد للعلامۃ مولانا شمس الحق صاحب ڈیانویؒ نور اللہ مرقدہ (ج ۲ ص ۱۶۹، ۱۸۱) [3] (ج ۱ ص ۲۸۳) [4] (ص ۳۲۵)۔

(۲) شرح ابن ملقن :- یہ شیخ سراج الدین عمر بن علی بن ملقن شافعی م ۸۰۴ھ کی شرح ہے۔ جو زوائد علی الصحیحین احادیث کی شرح پر مشتمل اور دو جلدوں میں ہے۔

(۳) شرح قطب الدین :- یہ شرح شیخ قطب الدین ابوبکر احمد بن دعین یمنی شافعی متوفی ۶۵۲ھ کی ہے، اور چار بسوط جلدوں پر مشتمل ہے۔

(۴) شرح عراقی :- ولی الدین احمد بن عبدالرحیم زین الدین عراقی متوفی ۸۲۶ھ نے بھی ایک شرح لکھی۔ افسوس ہے کہ یہ مکمل نہ ہو سکی، اس کی معلومات اور افادیت کا اندازہ اس سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ یہ ابتداء سے سجدۂ سہو تک سات جلدوں کی متمل ہے، اور ایک جلد میں صیام، حج اور جہاد وغیرہ ابواب کی شرح ہے۔ اور اگر یہ شرح مکمل ہو جاتی تو چالیس جلدوں پر مشتمل ہوتی فیا اسفا۔

(۵) شرح مغلطائی :- یہ حافظ علاؤ الدین مغلطائی حنفی متوفی ۷۶۲ھ کی تالیف ہے جو نا تمام ہے۔

(۶) شرح عینی :- اس کو حافظ بدر الدین عینی متوفی ۸۵۵ھ نے ایک جزو میں تالیف کیا ہے۔

(۷) مرقاۃ الصعود الی سنن ابی داؤد۔ " یہ علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ کی شرح ہے۔

(۸) شرح ابن رسلان :- یہ ابو العباس احمد بن حسین رملی مقدسی معروف بابن ارسلان م ۸۴۴ھ کی تالیف ہے، جو بڑی جامع اور مکمل شرح ہے، علامہ سخاوی کے قول کے مطابق گیارہ جلدوں میں ہے، لیکن علامہ حسین بن محسن انصاری کا بیان ہے کہ انہوں نے یہ شرح عرب ممالک میں آٹھ جلدوں میں دیکھی ہے، اور علامہ شمس الحق صاحب محدث ڈیانوی فرماتے ہیں کہ مجھے بھی اس کا ایک حصہ دیکھنے کا موقعہ ملا ہے، اور بہت مفید معلومات کی حامل ہے۔

(۹) شرح نووی رح :- امام محی الدین نووی شارح صحیح مسلم متوفی ۶۷۶ھ کی تالیف ہے۔ مگر افسوس کہ مکمل نہیں ہو سکی۔

(۱۰) "السنن باعجالۃ العالم"۔ علامہ خطابی رح کی معالم کا اختصار ہے جسے شہاب الدین ابو محمود

احمد بن محمد مقدسی م ۷۶۵ھ نے مرتب کیا، بعض نے اس کا نام عجالۃ العالم من کتاب المعالم ذکر کیا ہے، اور یہ چار جلدوں میں ہے۔

(۱۱) شرح سندی:- علامہ ابو الحسن السندی م ۱۱۳۹ھ نے دیگر کتب صحاح کی طرح "فتح الودود علی سنن ابی داود" کے نام سے اس کا حاشیہ لکھا ہے، جو مشہور و مقبول ہے، علامہ چلپیؒ نے اسے شرح لطیف کے نام سے یاد کیا ہے۔

(۱۲) تہذیب السنن:- یہ حجۃ الاسلام علامہ ابن قیمؒ کی شرح ہے۔ جو نہایت مفید اور بلند پایہ ہے، علامہ موصوف نے اس میں مشکل مقامات اور معلول احادیث پر فاضلانہ بحث فرمائی ہے۔ یہ مصر سے طبع ہو چکی ہے، اور ایک حصہ غایۃ المقصود کے ساتھ بھی مطبوع ہے۔

(۱۳) تلخیص منذری:- حافظ زکی الدین عبد العظیم بن عبد القوی م ۶۵۶ھ نے سنن کا اختصار کیا ہے، جو مطبوع ہے۔

(۱۴) بذل المجہود فی حل ابی داؤد:- مشہور حنفی عالم مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری نے پانچ مبسوط جلدوں میں سنن کی شرح لکھی ہے جو شائع ہو چکی ہے، اور یہ مفید علمی وفنی مطالب و ابحاث پہ مشتمل ہے۔

(۱۵) غایۃ المقصود:- علامہ مولانا ابو الطیب شمس الحق صاحب عظیم آبادیؒ نے "غایۃ المقصود" کے نام سے بتیس ۳۲ جلدوں میں شرح لکھی، لیکن افسوس ہے کہ یہ مکمل طبع نہ ہو سکی، صرف پہلی جلد منصہ شہود پہ آئی ہے، جو اب نایاب ہے، اس کے شروع میں ایک طویل مقدمہ ہے جس میں امام ابو داؤدؒ اور ان کی سنن کے متعلق مفید معلومات ہیں۔

اس کی اہمیت وافادیت کا اندازہ صاحب بذل مولانا علامہ خلیل احمد صاحب سہارنپوری کے اس بیان سے لگایا جا سکتا ہے، جس میں فرماتے ہیں:-

"حتی رأیت جزءً واحداً من الشرح الذی الفہ الشیخ ابو الطیب شمس الحق بغایۃ المقصود فوجدتہ کشف کنوزاتہ کافلاً ولجمیع مخزوناتہ حافلا للہ درہ

بذل فیہ وسعی سعیہ "۔[1]

زمانہ کی ستم ظریفی تو یہ ہے کہ اس کے مخطوطے کا بھی کسی کو علم نہیں ہو سکا، مؤلف رحمہ اللہ کے بعد مولانا محمد ادریس صاحب کے پاس تھی لیکن انہوں نے مشرقی پاکستان میں سکونت اختیار کر لی، غالباً علم و فن کا شغل نہ رہنے کی بنا پر امت کا یہ قیمتی سرمایہ یوں ہی خرد برد ہو گیا، فیا أسفا (انا للہ وانا الیہ راجعون)۔

(۱۶) عون المعبود:- یہ غایۃ المقصود کا اختصار ہے، اور چار مبسوط جلدوں میں پہلے ہندوستان سے اور اب بہت عمدہ کاغذ میں بیروت سے طبع ہو کر بازار میں آ چکی ہے۔

عون المعبود شرح سنن ابی داؤد:- عون المعبود کو بھی شیخ الاسلام حضرت مولانا علامہ شمس الحق صاحب ڈیانوی رحمہ اللہ کی تالیف ہونے کا شرف حاصل ہے، یہ شرح رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ میں سات سال کی محنت و کاوش کے بعد مکمل طور پر طباعت سے آراستہ ہوئی، اور یہ چار مبسوط جلدوں میں ہے، اور حال ہی میں دوبارہ نفیس کاغذ میں بیروت سے طبع ہو چکی ہے، پہلی تین جلدیں مذکورہ بالا تاریخ سے قبل طبع ہو چکی تھیں۔ اس بات پر قوی قرینہ یہ ہے کہ پہلی تینوں جلدوں پر شیخ الکل فی الکل حضرت میاں سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے درس دیا ہے۔ اور حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ و نور اللہ مرقدہ گیارہ رجب سنہ ۱۳۲۰ھ کو اس دار فانی سے رحلت فرما چکے تھے۔

سبب تالیف:- سنن ابی داؤد کی افادیت و اہمیت کے متعلق کیا کلام ہو سکتی ہے، اور مزید لکھنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ ہم کتاب السنن "اہل فن کی نظر میں" عنوان کے تحت متعدد حفاظ حدیث کی آراء لکھ آئے ہیں، اور علامہ خطابی رحمہ اللہ نے تو یہ تک کہا ہے۔

"ھو احسن وضعا واکثر فقھا من الصحیحین"

کہ کتاب السنن اپنی وضع اور فقہ کے اعتبار سے صحیحین کی نسبت زیادہ مفید ہے۔

---

[1] بذل المجہود ج ۱ ص ۱ ۔

لیکن تیرھویں صدی ہجری کے آخر تک عرب و عجم میں علماء کے سامنے اس مبارک کتاب کا کوئی صحیح نسخہ نہیں آسکا تھا، الا ماشاءاللہ! حالانکہ اہل علم میں اس کی احتیاج اور ضرورت عوام الناس میں سونے، چاندی کی خواہش و ضرورت کے مترادف تھی، ہند میں ایک دو دفعہ اور اسی طرح مصر میں یہ کتاب طبع ہوئی، لیکن یہ نسخے فحش غلطیوں اور اکثر تصحیفات سے پر تھے، باوجود اس کے کہ علماء و طلباء کے درس و تدریس میں ان کی اشد ضرورت تھی۔ اور مصری نسخے ہندی نسخوں سے طباعت کے اعتبار سے بہتر تھے علاوہ ازیں ان پہ بہت کم حواشی دیئے گئے، بلکہ ان کے محشی مقفل مواضع اور مغلق مقامات پہ سرے سے خاموش رہتے، اور بعض ایسے مقامات پر کلام کرتے، جن میں کسی قسم کا اشکال نہ ہوتا تھا۔

نسخہ عزیزیہ:۔ حضرت مولانا علامہ حسین بن محسن انصاری خزرجیؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس نسخہ کا تذکرہ شیخ الکل حضرت میاں صاحب رحؒ کی مجلس میں کئی دفعہ سنا اور اس وقت علامہ ابوالطیب شمس الحق صاحب بھی موجود تھے، حضرت میاں صاحبؒ نے اس نسخہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے شیخ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے صاحب زادے شیخ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحؒ نے سنن ابی داؤد کا ایک نسخہ درست فرمایا، اور بہت سے صحیح نسخوں کے ساتھ تقابل کیا اور شروع سے لے کر آخر تک اس پر حواشی دیے۔ کوئی ایسا مغلق اور مشکل مقام نہ تھا جسے آپ نے حل نہ کر دیا ہو، اور یہ حضرت الشیخ رحؒ کا علماء پر ایک احسان تھا۔

اس کے بعد علامہ حسین بن محسن انصاری رحؒ اس نسخہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اس کے بعد یہ نسخہ حضرت الاستاذ شیخ الکل حضرت میاں صاحب کو حاصل ہوا، اور فتنہ ہند تک آپ کے پاس رہا، اور اسی فتنہ میں ضائع ہوگیا (انا للہ وانا الیہ راجعون)۔ بعد ازیں ہم نے حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کو دیکھا کہ جب وہ اس نسخہ کا تذکرہ کرتے تو انتہائی افسوس کا اظہار فرماتے اور غم واندوہ میں ڈوب کر رہ جاتے اور فرماتے کہ اگر کسی سے یہ کتاب مجھے مل جائے تو میں عجز و فقر اور بے بضاعتی و بے سروسامانی کے باوجود بہت گراں قیمت ادا کرکے خرید لوں، چنانچہ آپ کی یہ کیفیت حضرت مولانا

علامہ شمس الحق صاحب رح کے لئے ایماء اور پھر حکم ثابت ہوئی، اور سنن کی خدمت اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں راسخ فرمادی۔

چنانچہ علامہ موصوف رح نے سنن کے گیارہ نسخوں کو سامنے رکھ کر اس کے متن کو ترتیب دیا۔ (تمام نسخوں کا ذکر طوالت کا باعث ہوگا، تفصیل کے لئے عون المعبود ج ۴ ص ۵۵۳ دیکھئے)۔ جیساکہ پہلے ہم لکھ آئے ہیں، کہ اس شرح کی تین جلدیں حضرت میاں صاحب رح کی زندگی ہی میں طبع ہوگئی تھیں، آپ جب بھی اسے دیکھتے تو بہت خوشی کا اظہار فرماتے، اور شارح، طابع اور مصحح کے لئے دعا دیتے اور فرماتے:۔

"زال عنی الغموم التی حصلت لی

باضاعۃ النسخۃ العزیزیۃ"

کہ نسخہ عزیزیہ کے ضیاع سے جو مجھے غم ہوا وہ سب اس شرح سے دور ہوگیا ہے حضرت میاں صاحب رح کے ان الفاظ سے ہی اس نسخہ کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

تنبیہ:۔ عون المعبود کی جلد اوّل کے خطبہ اور جلد ثانی کے خاتمہ سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ یہ حضرت مولانا علامہ شمس الحق صاحب رح کے برادر صغیر حضرت مولانا علامہ شرف الحق صاحب المعروف بمحمد اشرف رح کی تالیف ہے، اور اس پر شرح مثل بحث کے دوران غایۃ المقصود کا حوالہ دیتے ہوئے علامہ موصوف رح کا یہ کہنا کہ تفصیل کے لئے ہمارے بھائی شمس الحق صاحب رح کی شرح غایۃ کی طرف مراجعت کیجئے، یہ بھی ایک دلیل ہے۔ لیکن جب "عون" کی آخری دونوں جلدوں کو دیکھا جائے تو ان میں حضرت مولانا شمس الحق صاحب رح ہی کا ذکر ملتا ہے، جو اس بات پہ دال ہے کہ یہ حضرت مولانا علامہ شمس الحق صاحب رح ہی کی تالیف ہے، جبکہ کتاب کے آخر کی تقاریظ اس پر خصوصیت سے دلالت کرتی ہیں، اسی طرح حضرت مولانا امام خاں صاحب نوشہروی رح کا "تاریخ علماء اہل حدیث ہند" اور اپنے مقالہ "ہندوستان میں علم حدیث" میں حضرت مولانا علامہ شمس الحق صاحب رح کی طرف ہی نسبت کرنا ایک شہادت ہے۔

تاہم صحیح یہ ہے کہ حضرت مولانا علامہ شمس الحق صاحب رح نے تالیف کے وقت اپنی

المعروف بمحمد اشرف متولد ۱۲۷۵ھ شارح کے برادر صغیر۔

(۲) حضرت مولانا عبدالرحمٰن محدث مبارک پوری صاحب تحفۃ الاحوذی نوراللہ مرقدہم ۔

(۳) حضرت مولانا ابو عبداللہ محمد ادریس صاحب ڈیانوی رح متولد ۱۲۹۸ھ ابن خال المصنف رح ۔

(۴) حضرت مولانا الحاج عبدالجبار بن الشیخ العالم نور احمد صاحب ڈیانوی رحمہ اللہ متولد ۱۲۹۷ھ متوفی ۱۳۱۹ھ شامل تھے ۔

حضرت مولانا ابویحیٰ امام خاں صاحب نوشہروی رح نے اس بورڈ میں حضرت مولانا قاضی یوسف حسین خان پور ہزاروی اور حضرت مولانا محمد شاہجہان پوری کو شامل کیا ہے ۔

مقصد یہ ہے کہ حضرت مولانا علامہ شمس الحق صاحب رح نے اپنے ان رفقاء اور تلامذہ سے تالیف شرح کے سلسلے میں کام لیا ہے، جیسا کہ حضرت مولانا علامہ حسین بن محسن انصاری رح کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے وہ فرماتے ہیں :۔

" دان الفاضل الجلیل ابا الطیب قد جمع جماعۃ من الاعیان وقت تصحیح المتن والمعارضہ وتالیف الشرح واستعان منہم بما یلیق لشانہم ۔"

اور اس کے بعد ان سب علماء کے نام لئے ہیں ۔

اور یہ علماء و شیوخ کا قاعدہ ہے کہ وہ اپنے تلامذہ سے علمی مواد اور معلومات جمع کروا لیتے ہیں، اور بعض اوقات اشفاقی طور پر اپنے تلامذہ کی طرف بھی نسبت کر دیتے ہیں ۔ یہ نسبت بھی اسی قبیل سے ہے ۔ درحقیقت یہ شرح حضرت مولانا علامہ شمس الحق صاحب، محدث ڈیانوی رح ہی کی ہے، جیسا کہ شواہد سے معلوم ہوا ہے اور اس کے علاوہ تشریفاً بھی آپ ہی کو اس کا مؤلف کہنا زیادہ موزوں ہے ۔

فائدہ :۔ یاد رہے کہ شمس العلماء حضرت علامہ مولانا شمس الحق صاحب ڈیانوی رح نے شرح سنن کے متن کی تصحیح کے وقت جن گیارہ نسخوں کو سامنے رکھا ہے ۔ ان میں صرف ایک نسخہ ابن داسہ رح کا ہے، اور باقی

دس لؤلوی کے ہیں، جیسا کہ آپ نے شرح کے آخر میں خود بیان فرمایا ہے۔

انی ظفرت علی ھذہ عشرۃ نسخۃ من سنن ابی داؤد کلھا من روایۃ اللؤلؤی الا نسخۃ واحدۃ فھی من روایۃ ابن داسۃ فجعلت نسخۃ واحدۃ صحیحۃ عتیقۃ من ھذہ النسخ اصلا وامار باقی النسخ علیھا معی وصنۃ۔[1]

الھدی المحمود ا۔ مشہور مترجم حدیث مولانا علامہ وحید الزمان ۱۳۲۰ھ نے دو جلدوں میں تالیف کی جو اردو میں ترجمہ اور تشریحی فوائد کی حامل ہے۔



[1] عون المعبود شرح سنن ابی داؤد ج ۴ ص ۵۰۲

امام ترمذیؒ

۲۰۹ — ۲۷۹

نام ونسب:- امام صاحب کا نام محمد اور کنیت ابوعیسیٰ ہے، سلسلہ نسب کچھ یوں ہے۔ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن ضحاک السلمی الترمذی، شہر ترمذ کی طرف نسبت ہے، جو نہر بلخ یعنی نہر جیحون کے کنارے خوارزم کے قریب واقع ہے، امام ترمذی کے دادا مروزی الاصل تھے، کسی وجہ سے آکر ترمذ میں آباد ہوئے، نیز امام بخاریؒ کا سلسلہ بھی بن سلیم سے ملتا ہے، جو ابن غیلان کی ایک شاخ ہے، عیسیٰ آپ کے والد کا نام بھی ہے اور آپ کی کنیت بھی۔

شیوخ:- امام ترمذیؒ کا سلسلہ شیوخ نہایت وسیع ہے۔ جن میں سے امام بخاریؒ امام مسلم، امام ابوداؤد، قتیبہ بن سعید، علی بن حجر، محمد بن بشار وغیرہم خاص طور پر قابل ذکر ہیں امام بخاریؒ کے ترجمہ میں اصحاب ستہ کے اساتذہ کا ذکر ہوچکا ہے، اب ہم صرف ان کا ذکر کرتے ہیں، جو ان سے بلحاظ وفادت کے متقدم ہیں، جیساکہ شیخ احمد شاکر رح نے مقدمۂ تعلیق ترمذی میں[1] ذکر کیا ہے، (۱) عبداللہ بن معاویہ الجمحی م ۲۴۳ھ علی ابن حجر المروزی م ۲۴۴ھ قتیبہ بن سعید الثقفی م ۲۴۰ھ سوید بن نصر المروزی م ۲۴۰ھ، احمد بن ابی بکر الزہری المدنی م ۲۴۲ھ محمد بن عبدالملک بن ابی الشواب م ۲۴۴ھ، ابراہیم بن عبداللہ بن حاتم الھروی م ۲۴۴ھ، اسماعیل بن موسیٰ الفزاری م ۲۴۵ھ۔

تلامذہ:- امام ترمذیؒ نے جس طرح متعدد مشائخ سے استفادہ کیا، اس طرح آپ سے بھی بے شمار طلبہ و تلامذہ مستفید ہوئے، اور وقتاً فوقتاً اس چشمۂ سنت سے سیراب ہوتے رہے، جن میں سے، احمد بن عبداللہ المروزی، ہیثم بن کلیب الشاشی، محمود بن احمد بن محبوب، احمد بن یوسف النسفی، اسعد بن حمدویہ، داؤد بن نصر البزودی، محمد بن منذر الھروی، ابوذر محمد بن ابراہیم،

[1] تعلیق الترمذی ص ۸۰۔

ابو محمد حسن بن ابراہیم ، ابو الحسن وازری ، محمد بن سفیان ،

فائدہ :- یہ بات خصوصیت کی متقاضی ہے، کہ امام ترمذی جہاں امام بخاری رح کے شاگردوں میں شامل ہیں۔ امام بخاریؒ نے بھی آپ سے دو احادیث کا سماع کیا ہے، جن میں کی ایک[1] حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے، جو آیۂ کریمہ ما قطعتم من لینۃ او ترکتموھا قائمۃ علی اصولھا کی تفسیر میں قال اللینۃ، النخلۃ (الحدیث) ہے، امام ترمذی رح نے سورہ حشر کی تفسیر میں اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے۔

" سمع منی محمد بن اسماعیل ھذا الحدیث "

دوسری[2] حدیث حضرت ابو سعید الخدری سے حضرت علی کے مناقب میں مروی ہے

یا علی لا یحل لاحد ان یجنب فی ھذا المسجد غیری وغیرک

اس کے ذکر کرنے کے بعد امام ترمذیؒ فرماتے ہیں :-

قد سمع محمد بن اسماعیل منی ھذا الحدیث واستغربہ انتہی

رحلات :- حدیث کے اخذ و ادا کے سلسلے میں امام ترمذیؒ کا آب ودانہ بہت دور تک بکھرا نظر آتا ہے، آپ کے اساتذہ بصرہ، کوفہ، خراسان، حجاز و بخارا سے متعلق ملتے ہیں اس لئے یہ کہنا پڑے گا کہ امام ترمذی رح نے ان شہروں کو اپنے رحلات کی آماجگاہ بنائے رکھا۔

قوت حفظ :- علامہ ذہبی ابو سعید الادریسی سے بیان کرتے ہیں۔

کان ابو عیسیٰ یضرب بہ المثل فی الحفظ و

قال الحاکم سمعت عمر بن ملک یقول مات البخاری

فلم یخلف بخراسان مثل ابی عیسیٰ فی العلم والحفظ والورع والزھد

چنانچہ اس کی منہ بولتی مثال حافظ ابن حجر رح نے تہذیب اور علامہ ذہبی نے تذکرہ میں احمد بن عبداللہ سے نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام ترمذیؒ سے سنا وہ فرماتے تھے۔ کہ میں نے شیخ کی روایات کے دو اجزاء ان سے نقل کئے، لیکن اب تک انہیں پڑھ کر سنانے کا موقعہ نہ مل سکا، چنانچہ مکہ مکرمہ کے راستہ میں اتفاقاً ان سے ملاقات

---

[1] تذکرۃ الحفاظ، مقدمہ تحفہ ص ۱۶۷ +

ہوئی، میں نے شیخ سے ان اجزاء کی قراءت کی درخواست کی جسے آپ نے قبول فرمایا، اور کہا کہ ان اجزاء کو ہاتھ میں رکھیں میں پڑھتا ہوں اور آپ مقابلہ کرتے جائیں، میں نے جب ان اجزاء کو تلاش کیا تو وہ اتفاقاً میرے پاس نہ تھے، چنانچہ میں نے ان کے ہم مثل سادے کاغذ کے دو اجزاء ہاتھ میں لئے اور سننے میں مشغول ہوگیا۔ بوقت قراءت شیخ کی نظر ان کاغذات پر پڑی تو وہ ناراض ہو کر فرمانے لگے "اما تستحیی" تو میں نے بالآخر وہ تمام قصہ کہہ سنایا جو مجھ سے سرزد ہوا تھا اور کہا کہ اگرچہ وہ اجزاء میرے پاس نہیں تاہم لکھے ہوئے اجزاء سے مجھے زیادہ محفوظ ہیں، شیخ نے فرمایا اچھا سناؤ تو میں نے وہ تمام حدیثیں سنا دیں۔

شیخ بہت متعجب ہوئے تو میں نے عرض کی اب کی بار پھر امتحان لے لیں تو انہوں نے چالیس احادیث اور پڑھیں، میں نے وہ بھی صحیح صحیح سنا دیں، اس پر فرمانے لگے :- ما رأیت مثلک انتھی۔

ابو عیسیٰ :- امام ترمذی کی کنیت ہے، جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، لیکن یہ کنیت اس اعتبار سے موضوع بحث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عیسیٰ کا تو باپ ہی نہ تھا، یہ فرمان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو مصنف ابن ابی شیبہ میں باب ما یکرہ للرجل ان یکتنی بابی عیسیٰ کے تحت ملے گا، علاوہ ازیں حضرت عمرؓ کے صاحب زادہ نے جب اپنی کنیت ابو عیسیٰ رکھی تو حضرت عمرؓ نے انہیں سزا دی اور کہا کہ ان کا تو باپ ہی نہیں ہے۔

اس کے جواب میں بعض علماء نے پہلی روایت کو مرسل اور دوسری کو موقوف بتا کر لکھا ہے کہ یہ ایک امر واقع کا بیان ہے، اس سے نہی لازم نہیں آتی، لیکن اس سب کچھ کے علاوہ ہم سنن ابی داؤد میں دیکھتے ہیں کہ حضرت مغیرہ کی کنیت ابو عیسیٰ ہے، اس پہ حضرت عمرؓ نے روکا اور کہا کہ آپ کو ابو عبداللہ کنیت رکھنی چاہیئے، تو انہوں نے فرمایا کہ میری یہ کنیت تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی ہے، حافظ ابن حجرؒ نے اصابہ میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، اور دیگر صحابہ سے اس کی تائید نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو "ابو عیسیٰ" کنیت سے پکارا ہے، حضرت عمرؓ نے اگرچہ ان کی کنیت ابو عبداللہ کے نام سے تبدیل کر دی تھی، اور وہ یہ گمان کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

کے حق میں تو اللہ نے فرمایا ہے لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبك وما تاخر۔ لیکن ہماری یہ شان نہیں، معلوم نہیں ہمارے ساتھ کیا کیا جائے گا، تاہم ہو سکتا ہے کہ امام ترمذی کے نزدیک حضرت عمرؓ کا یہ اجتہاد درست نہ ہو، اس وجہ سے انہوں نے جا بجا اپنی جامع میں اس بات کی صراحت کی۔

مذہب امام ترمذیؒ :- اکثر علماء نے آپ کو شافعی و حنبلی کہا ہے، جیسا کہ طبقات شافعیہ وحنابلہ میں مذکور ہے، لیکن بات یہ ہے کہ مؤلفین طبقات نے دراصل درسی نسبت کی وجہ سے ائمہ حدیث کو طبقات میں ذکر کیا ہے، جامع ترمذی آج بھی ہمارے سامنے ہے، اور اس میں امام ترمذی رح نے اپنی مستقل رائے پیش کی ہے، اور جا بجا اپنے کو اہل الحدیث میں شمار کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ مولانا اشرف علی تھانوی رح " الشوب الحلی علی تقریر الترمذی منک " میں رقمطراز ہیں :-

" قلت هذا يدل على ان الترمذی ليس بشافعی انتهى۔ " امام ترمذی رح کی عدم تقلید کے لئے ذیل کی امثلہ میں کافی وضاحت ہو جاتی ہے، کہ آپ اہل حدیث تھے اور مقلد نہ تھے، بلکہ خود امام اور مجتہد تھے۔

چنانچہ " باب الرجل یسلم وعندہ عشر نسوۃ کے تحت لکھتے ہیں :-

والعمل على حديث غيلان عند اصحابنا منهم الشافعي واحمد واسحق رح۔

امام موصوف کی یہ کلام صاف طور پر دال ہے کہ اصحابنا سے مراد محدثین ہیں، جن میں امام احمد اور اسحاق بھی شامل ہیں، اسی طرح باب ترک الوضوء من القبلہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے بعد فرماتے ہیں :-

" هو قول السفيان الثوری واهل الكوفة قالوا ليس فی القبلة وضوء وقال مالك بن انس والاوزاعی والشافعی واحمد و اسحاق فی قبلة وضوء وهو قول غير واحد من اهل العلم فی اصحاب النبی صلی الله عليه وسلم والتابعين وانما ترك اصحابنا حديث عائشة عن النبی صلی الله عليه وسلم فهذا لانه لا يصح عندهم لحال الاسناد انتهى "

امام ترمذیؒ کے اس کلام سے واضح ہوتا ہے کہ اصحابنا سے مراد اہل حدیث ہیں۔
زیر بحث باب کے تحت علامہ ابوالطیب السندی شرح ترمذی میں فرماتے ہیں :۔
انما ترك اصحابنا ای من اهل الحدیث او من الشافعیه كذا
قال بعض العلماء لكن الظاهر هو الاول انتهى۔
اسی طرح شیخ احمد سرہندیؒ امام ترمذیؒ کے اس قول کے متعلق فرماتے ہیں :۔
وجز ایں نیست کہ ترک کردند اصحاب ما اہل حدیث حدیث عائشہ را الخ
اسی طرح باب کراہیۃ الاسراف فی الوضوء میں خارجہ راوی پر کلام کرتے ہوئے
فرماتے ہیں :۔
" خارجه ليس بالقوى عند اصحابنا "
تو کیا یہاں عند اصحابنا سے مراد شوافع ہیں نہیں بلکہ اہل الحدیث ہیں جیسا کہ علامہ
طیبی فرماتے ہیں :۔ عند اصحابنا ای اهل الحديث (المرقاة)
ہم انہی ابواب پر ختم کرتے ہیں، ہاں جامع ترمذی کو اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو اس
قسم کی متعدد امثلہ مل سکتی ہیں، جن سے آپ کو مقلد ٹھہرانے کی تردید ہو جاتی ہے، اور
اگر جامع ترمذی کے باب تاخیر الظہر فی شدۃ الحر" پر ایک نظر دوڑائی جائے تو ہمارے دعویٰ
کی پرزور تائید ہوتی ہے، کیونکہ اس میں امام ترمذی رحہ نے امام شافعی کی تردید کی ہے
چنانچہ " حدیث الابراد" کے بعد لکھتے ہیں :۔
قد اختار قوم من اهل العلم تاخير صلوٰة الظهر فى شدة الحر و
هو قول ابن المبارك و احمد واسحق وقال الشافعى انما الابراد بصلوٰة
الظهر اذا كان مسجدا ينتاب اهله من البعد فاما المصلى وحده والذى
يصلى فى مسجد قومه فالذى احب له ان لا يوخر الصلوٰة فى شدة
الحر ومعنى من ذهب الى تاخير الظهر فى شدة الحر هو اولى و
اشبه بالاتباع واما ما ذهب اليه الشافعى ان الرخصة لمن ينتاب
من البعد والمشقة على الناس فان فى حديث ابى ذر ما يدل على
خلاف ما قال الشافعى رح ، انتهى۔
امام ترمذیؒ کا یہ قول اس بات پر شاہد ہے کہ آپ امام شافعیؒ کے مقلد نہ تھے اور

صحیح حدیث کے ہوتے ہوئے امام شافعی کے مسلک سے برءیت کا اظہار کر دیتے ہیں۔

امام ترمذی اور ان کی مؤلفات:۔

(۱) الجامع الترمذی۔
(۲) کتاب العلل، اس موضوع پر امام صاحب کی دو کتابیں ہیں۔

(۱) علل الصغیر جو جامع ترمذی کے ساتھ مطبوع ہے، جس کا تعلق جامع سے ہے۔

(۲) علل الکبیر ہے، اس کے بارے میں محدث مبارک پوری فرماتے ہیں:۔

وفیہ معظم النقل عن شیخہ البخاری

(۳) کتاب التاریخ (۴) کتاب الزہد (۵) کتاب الاسماء والکنی۔

(۶) کتاب الشمائل النبویہ، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے متعلق احادیث ہیں، جو اپنے موضوع پر بہترین تصنیف ہے، شیخ عبد الحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:۔

خواندن آن برائے مہمات مجرب اکابر است انتہیٰ" اشعۃ اللمعات۔

کتاب التفسیر (۸) کتاب الجرح والتعدیل اس کا ذکر حافظ ابن کثیرؒ نے البدایہ ص۶۷ ج ۱۱ میں کیا ہے۔

جامع ترمذی:۔

امام ترمذی کی جملہ کتب میں جامع کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔ لیکن اس کے نام میں اختلاف ہے، علامہ چلپیؒ فرماتے ہیں:۔ وقد اشتہر بالنسبۃ الی مولفہ فیقال جامع الترمذی ویقال السنن ایضا والاول اکثر انتہیٰ کشف ص۲۷ ج۱

خطیب بغدادی اور امام حاکم نے اسے الصحیح کے نام سے یاد کیا ہے، لیکن تغلیبًا اسے الصحیح کہا گیا ہے، کیونکہ جامع میں ضعیف احادیث بھی ہیں، اور اسی سبب سے سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ، اور سنن نسائی کو صحاح الستہ کہا گیا ہے۔

جامع ترمذی اور اس کے رواۃ:۔

حافظ ابو جعفر بن زبیر نے اپنی فہرست میں سنن کے چھ رواۃ کی تصریح کی ہے

(۱) ابو العباس محمد بن احمد بن محبوب متوفی ۳۴۶ھ۔

(۲) حافظ ابو سعید ہیثم بن کلیب الشاشی متوفی ۳۵۵ھ۔

(۳) ابوذر محمد بن ابراہیم۔ (۴) ابو محمد حسن بن ابراہیم قطان۔
(۵) ابو حامد احمد بن عبداللہ تاجر۔ (۶) ابوالحسن دارزنجی، مقدمہ قوت المغتذی۔

"جامع ترمذی کی مقبولیت" جامع ترمذی کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ حافظ ابن اثیر جامع الاصول کے مقدمہ میں فرماتے ہیں :-

ھذا الکتاب الصحیح احسن الکتب واکثرھا فائدۃ واحسنھا ترتیبا واقلھا تکرارا وفیہ مالیس فی غیرہ الخ

اور حافظ ابوالفضل ابن طاہر مقدسی لکھتے ہیں کہ امام ابواسماعیل عبداللہ بن محمد انصاری متوفی ۴۸۱ھ سے میں نے سنا فرماتے تھے :-

"کتاب الترمذی عندی انور من کتاب البخاری ومسلم قلت ولم؟ قال لانہ لایصل الی الفائدۃ منہا الا من ھو من اھل المعرفۃ التامۃ بھذا الفن والکتاب الترمذی قد شرح احادیثہ وبینھا فیصل الیھا کل احد من الناس من الفقھاء والمحدثین وغیرھم

البدایہ ص۶۷ ج ۱۱ ومثلہ فی شروط الائمہ ص۱۶

اسی طرح حافظ ابوبکر ابن نقطہ بغدادی المتوفی ۶۲۹ھ اپنی مشہور کتاب "التقیید فی رواۃ الکتب والمسانید" میں خود امام ترمذیؒ کی زبانی نقل فرماتے ہیں :-

صنفت ھذا السنۃ الصحیح وعرضتہ علی علماء الحجاز فرضوا بہ وعرضتہ علی علماء العراق فرضوبہ وعرضتہ علی علماء خراسان فرضوبہ ومن کان فی بیتہ ھذا الکتاب فکانما فی بیتہ نبی ینطق۔" البدایہ ایضاً۔

یہی وہ کتاب ہے جس کی مدح میں علماء اندلس نے ایک بہترین قصیدہ کہا ہے، جسے حافظ علامہ سیوطی رح نے اور شاہ عبدالعزیز رح نے البستان میں ذکر کیا ہے، جسے خوف طوالت کے پیش نظر ہم نظر انداز کرتے ہیں۔

شاہ صاحب موصوفؒ فرماتے ہیں کہ فن حدیث میں امام ترمذی رح کی "جامع" بعض وجوہ سے جمیع کتب احادیث سے احسن ہے۔ اولاً حسن ترتیب، عدم تکرار (۲) مذاہب کا بیان اور ان کے ادلہ کا ذکر (۳) انواع حدیث میں صحیح وضعیف، غریب اور معلل وغیرہ کا

بیان (۴) راویوں کے نام کنیت والقاب اور علم رجال کے متعلق دیگر فوائد بیان کرنے کی وجہ سے"

حافظ ابن سیدالناس المتوفی ۷۳۴ھ شرح ترمذی کے مقدمہ میں حافظ یوسف بن احمد سے نقل کرتے ہیں :۔

"لابی عیسی فضائل تجمع وتزوی وتسمع وکتابہ من الکتب الخمسۃ التی اتفق اھل الحل والعقد والفضل والفقہ من العلماء والفقہاء واھل الحدیث النبھاء علی قبلھا والحکم بصحۃ اصولھا" (ابن ماجہ اور علم حدیث، ص۲۲۷)

صحت وشہرت کے اعتبار سے جیسا اہل علم نے کتب احادیث کو پانچ طبقوں میں شمار کیا ہے، جامع ترمذی ان میں سے دوسرے طبقے کی کتاب ہے، صحاح ستہ میں "صحیح مسلم" کے بعد اس کا دوسرا مقام ہے، جیسا کہ ہم نے "صحاح ستہ اور اس کی تعیین میں اختلاف" کے تحت ذکر کیا ہے، پھر "جامع ترمذی" کے فوائد میں یہ بھی داخل ہے کہ اس میں علوم حدیث کے مختلف علوم کی نشاندہی ملتی ہے، جس سے اس کی افادیت مزید بڑھ جاتی ہے، جن کا ذکر عنقریب آرہا ہے۔

(۱) اصناف فوائد پر کتاب کی تالیف وترتیب کے ساتھ بیان سند (۲) تصحیح حدیث (۳) سقم روایت کا بیان (۴) تعدد طرق کا ایراد (۵) جرح رواۃ (۶) تعدیل رواۃ۔ (۷) راویوں کے نام کی تعیین (۸) راویوں کی کنیت کا ذکر (۹) بیان وصل (۱۰) بیان قطع (۱۱) معمول بہا کا اظہار (۱۲) متروک کا ایضاح (۱۳) ردوقبول آثار کے متعلق اختلاف علماء (۱۴) تاویل حدیث میں اختلاف[۱]

ترمذی اور اس کے ناقدین :۔

امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ کی جامع کے متعلق آپ پیچھے پڑھ چکے ہیں کہ وہ صحاح ستہ میں تیسری اور طبقات کتب حدیث میں اس کا شمار دوسرے طبقہ کی کتابوں میں ہوتا ہے۔ بلکہ امام ترمذی رحمہ نے خود صراحت کی ہے کہ جامع کی جملہ روایات بجز دو روایتوں کے معمول بہا ہیں، لیکن امام صاحبؒ کا ان دو روایتوں کے متعلق یہ کہنا کہ وہ معمول بہا نہیں ہیں محل نظر

---

[۱] مقدمہ قوت المغتذی ۱۲

ہے۔ صحیح یہ ہے کہ وہ بھی قابل عمل ہیں، سلف میں ایک جماعت نے ان پر عمل کیا ہے، جیسا کہ محدث مبارک پوری نور اللہ مرقدہٗ نے "تحفۃ الاحوذی" میں ذکر کیا ہے، لیکن ان تمام خوبیوں کے باوجود ستم ظریفی تو یہ ہے کہ امام ابن جوزی رح نے موضوعات میں جامع کی تیئیس ۲۳ احادیث کو موضوع کہا ہے۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے، حافظ سیوطی رح نے "القول الحسن فی الذب عن السنن" میں ان جملہ روایات کا جواب دیا ہے، ابن جوزی رح کی بات کا اعتبار کرتے ہوئے کیا صحیح مسلم اور صحیح بخاری کی احادیث کو بھی موضوع کہا جائے گا؟ جو انہوں نے موضوعات میں شمار کی ہیں نہیں! بات یہ ہے کہ ابن جوزی رح حدیث کو موضوع کہنے میں تساہل سے کام لیتے ہیں، اور آپ کا اس باب میں تساھل مشہور ہے البتہ اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ "ترمذی" میں ضعیف احادیث بھی ہیں، اور بسا اوقات وہ اس کے ضعف کو بیان بھی کر دیتے ہیں۔

امام ترمذی اور ابن حزم :-

امام ترمذی رح کی جلالت شان کا تو کسی کو انکار کیوں کر ہو سکتا ہے، حافظ المزی رح فرماتے ہیں

" الحافظ صاحب الجامع وغیرہ من المصنفات احد الائمہ الحفاظ المبرزین ومن نفع اللہ بہ المسلمین (تہذیب التہذیب)

علامہ سمعانی اپنے انساب میں فرماتے ہیں، علامہ ذہبی رقمطراز ہیں :-

الحافظ العلم صاحب الجامع ثقۃ مجمع علیہ "

لیکن محل تعجب ہے کہ حافظ ابن حزم رح نے "الایصال الی فہم کتاب الخصال الجامعہ لجمل شرائع الاسلام والحلال والحرام والسنۃ والاجماع" میں امام ترمذی رح کو مجہول کیا ہے ۔ علامہ ذہبی رح فرماتے ہیں :-

" ولا التفات الی قول ابی محمد بن حزم فیہ فی الفرائض من کتاب الایصال انہ مجہول فانہ ما عرف ولا دری بوجود الجامع ولا العلل لہ انتہی - ؎۳ "

اس کے علاوہ علمائے امت نے ابن حزم رح کے اس قول کے متعدد جوابات دیئے ہیں، حافظ ذہبی رح فرماتے ہیں کہ حافظ ابن حزم کو امام ترمذی رح کی جامع مل نہیں سکی۔

؎۱ وانہ فی ۲۷ جلد التذکرہ ص ۲۲۶/ج۲ ؎۲ التذکرہ ص ۲۲۲/ج۲ ؎۳ المیزان

اور حافظ ابن حجر رح فرماتے ہیں، کہ موصوف نے اگر انہیں مجہول کہا ہے، تو یہ انوکھی بات نہیں، انھوں نے تو ابو القاسم البغوی، اسماعیل بن محمد الصفار، اور ابو العباس الاصم جیسے ثقات کو بھی مجہول کہا ہے، لسان کے مطالعہ سے یہ بات بھی ہمارے سامنے آتی ہے، کہ ابن حزم ہر اس شخص کو مجہول کہتے ہیں، جس تک ان کی رسائی نہ ہوتی ہو، چنانچہ حافظ احمد بن علی بن اسلم کے ترجمہ میں فرماتے ہیں :۔

قال ابن حزم مجهول وهو الابار الحافظ المتقدم وهذه عادة ابن حزم اذا لم يعرف الراوي يجهله الخ [۱]

بعینہ یہی بات "لسان" میں احمد بن عبید اللہ بن الحسن کے اور احمد بن علی بن حسنویہ کے تراجم میں بھی لکھی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ اسی طرح ان کی رسائی امام ترمذی تک بھی نہیں ہو سکی۔

لیکن شیخ احمد شاکر رح نے اس جواب سے اختلاف کرتے ہوئے لکھا ہے :۔

انا اظن ان هذا تحامل شديد من الحافظ ابن حجر على ابن حزم ولعله لم يعرف الترمذي ولا كتابه بل لعل الحافظ الذهبي اخطأ النظر حين نقل ما نقل من كتاب الايصال وما اظن ابن حجر رأى كتاب الايصال ونقل منه وانما ارجح انه نقله من الذهبي - والله اعلم [۲]

اور اس پر مزید فرماتے ہیں، کہ دیکھو حافظ ابن حزم رح نے المحلی ص $\frac{295}{296}$ ج ۹ میں امام ترمذیؒ کے واسطہ سے ایک روایت بیان کی ہے، اور اسے احمد بن عبد اللہ بن الحسنویہ اور "اسماعیل الصفار" کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔

"ولم يذكر مطعناً في الترمذي"

لیکن یہ جواب بھی محل نظر ہے، کیونکہ حافظ ابن حزم رح کا یہاں امام ترمذی رح پر جرح نہ کرنا ان کے ثقہ ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا، محلی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک راوی کے متعلق ایک جگہ جرح کرتے ہیں تو دوسرے مقام پر خاموش رہتے ہیں، اور لیسا اوقات ایک ضعیف راوی سے حدیث بیان کرتے ہیں۔ لیکن اس پر سکوت

---

[۱] لسان المیزان ص ۲۳۱ ج ۱ [۲] مقدمہ ترمذی ص ۸۶۔

اختیار کر جاتے ہیں، ہمارے پیش نظر اس وقت محلی ص۲۳۹ ہے۔ جس میں حضرت عمر کا یہ اثر نقل کیا ہے، "کان یضرب الناس علی الصلوٰۃ بعد الاقامۃ جو جابر عن الحسن بن مسافر کے واسطے سے مروی ہے، شیخ شاکر رحمہ کی تصریح کے مطابق جابر سے مراد "الجعفی" ہے، اور "الحسن" کے متعلق فرماتے ہیں:۔

"ولا وجدت لہ ترجمۃ او ذکرا فی شئی من الکتب انتہیٰ"

لیکن اس کے باوجود حافظ ابن حزم رحمہ نے اس پر سکوت اختیار کیا ہے، بایں وجہ اگر مذکورہ بالا حدیث میں امام ترمذیؒ پر جرح منقول نہیں تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ ابن حزم کے نزدیک ثقہ ہیں، البتہ حافظ ابن حجر رحمہ کا یہ کہنا:۔

"ولا یقولن قائل لعلہ ما عرف الترمذی ولا اطلع علی حفظہ ولا علی تصانیفہ۔" درست نہیں کیونکہ عین ممکن ہے، کہ جامع ترمذی ان کو میسر نہ ہوئی ہو، شیخ شاکر رحمہ لکھتے ہیں:۔

"ھذا تحامل شدید من الحافظ ابن حجر علی ابن حزم ولعلہ لم یعرف الترمذی ولا کتابہ الخ"

تیسرا جواب یہ بھی دیا جا سکتا ہے، کہ حافظ ابن حزم کی کتاب الایصال ان کی اول تصانیف میں سے ہے، اس کے بعد انہیں امام ترمذیؒ کی جلالت شان کا علم ہو گیا تھا، یہی وجہ ہے کہ المحلی میں امام ترمذیؒ پر جرح نہیں کی اس پر قرینہ یہ ہے۔ کہ حافظ ابوالولید ابن الفرضی عبداللہ بن محمد بن یوسف القرطبی المتوفی ۴۰۳ھ کی کتاب "الموتلف والمختلف" میں امام ترمذیؒ کا مبسوط ترجمہ منقول ہے، اور یہ ناممکن ہے، کہ حافظ ابن حزم المتوفی ۴۵۶ھ کو جو کہ "القرطبی" ہیں، وہ کتاب میسر نہ ہو سکی ہو، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:۔

"والعجب ان الحافظ ابن الفرضی ذکرہ فی الموتلف والمختلف ونبہ علی قدرہ فکیف فات ابن حزم الوقوف علیہ فیہ۔

واللہ اعلم

الغرض امام ترمذیؒ کو حافظ ابن حزمؒ کا مجہول کہنا قطعاً معتبر نہیں، کیونکہ ان کی جلالت امامت و دیانت پر محدثین کا اتفاق ہے۔

شرائط ترمذی :- آپ کی جامع کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ آپ نے اس سلسلہ میں چار شرطوں کو ملحوظ رکھا ہے۔

(۱) وہ روایات لائیں گے جو صحیح ہوں گی نیز صحیح بخاری و صحیح مسلم کے جو موافق اور ان کی شرائط کے مطابق ہوں گی، اور وہ روایات جو صحیحین میں پائی جاتی ہیں، ان کا استخراج بھی انہوں نے کیا ہے۔

(۲) جو امام ابو داؤد اور نسائی رح کی شروط کے موافق ہوں وہ اپنی سنن میں درج کریں گے، وہ یہ کہ امام ابو داؤد اور امام نسائی رح ہر اس راوی سے روایت لیں گے جس کے ترک پر اجماع نہ ہو۔

(۳) بسا اوقات ضعیف روایت کو بھی ذکر کرتے ہیں، اور وہ ضعیف حسن لغیرہ کے قبیل سے ہوتی ہے، کیونکہ اس کے ساتھ سلف کی ایک جماعت کے مسلک کی مطابقت ہوتی ہے۔

(۴) امام ترمذیؒ طبقہ اولیٰ کے رواۃ کا بھی لحاظ رکھتے ہیں، طبقہ اولیٰ اور ثانیہ سے اکثر اور ثالثہ اور رابعہ سے نسبتاً کم اور خامسہ سے استشہاداً گا ہے گا ہے اعتبار کے طور پر روایت لیتے ہیں[۱]۔

• (امام ترمذیؒ) اور "حدیث حسن" کی تعریف دیگر محدثین سے الگ کی ہے۔ جو ان کی اپنی خاص اصطلاح ہے۔

چنانچہ امام صاحب العلل میں فرماتے ہیں :-

"..... یروی ولا یکون فی اسنادہ من یتھم بالکذب ولا یکون الحدیث شاذا ویروی من غیر وجہ نحو ذالک۔

یہ تعریف دراصل "حسن لغیرہ" کی ہے، کیونکہ حسن لذاتہ کا درجہ متہم بالکذب راویوں سے کہیں اوپر ہوتا ہے، بلکہ ان کا ضابط ہونا شرط ہے[۲]۔ مقدمہ ابن الصلاح۔ پر دروس میں یہ بحث تفصیل سے گزر چکی ہے اس لئے اعادہ کی ضرورت نہیں، البتہ اس بات کا ذکر کرنا ضروری ہے، کہ امام ترمذیؒ نے مندرجہ ذیل اقسام کو حسن کہا ہے، بشرطیکہ وہ شاذ یا متہم بالکذب راوی سے مروی نہ ہو۔

---

[۱] تہذیب ۔ [۲] تدریب الراوی ۔ [۳] تدریب

(۱) جس راوی میں ضعف بوجہ سوءِ حفظ ہو۔
(۲) وہ حدیث جو مستور راوی سے مذکور ہو،
(۳) جو راوی خطاء اور غلط کے ساتھ متصف ہو۔
(۴) وہ حدیث جو مدلس سے بصورت عنعنہ مذکور ہو۔
(۵) وہ حدیث جو مختلط راوی سے مروی ہو اور وہ بعد از اختلاط بیان کی گئی ہو۔
(۶) وہ حدیث جس میں انقطاع ہو۔

حافظ ابن حجرؒ نے النکت میں اس قسم کی متعدد امثلہ ذکر کی ہیں۔ جن سے اس امر کی بخوبی وضاحت ہو جاتی ہے۔

امام ترمذیؒ کی یہ عادت ہے کہ آپ "جامع" میں اوصاف حدیث بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں "ہذا حدیث حسن صحیح"، اور کبھی حسن، صحیح، غریب، ظاہر ہے کہ صحیح اور حسن کے جمع ہونے میں کوئی تردد نہیں، اس لئے کہ حدیث کا حسن لذاتہ اور صحیح لغیرہ ہونا عین ممکن ہے، اسی طرح غریب اور صحیح کا جمع ہونا بھی ممکن ہے، کیونکہ غریب ہونا صحت کے منافی نہیں ہے، البتہ "حسن اور غریب" کے جمع ہونے میں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ امام ترمذیؒ کے نزدیک حسن کی تعریف میں تعدد طرق معتبر ہے، اور حدیث غریب میں راوی کا تنہا ہونا شرط ہے، اس لئے یہ دو وصف متضاد ہیں جو جمع نہیں ہو سکتے۔

اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں۔ کہ امام ترمذیؒ کے نزدیک حدیث حسن میں مطلقاً تعدد طرق شرط نہیں ہے۔ بلکہ اس کا اعتبار حدیث حسن کی ایک قسم ہے۔ اور وہ جہاں "ہذا حدیث حسن غریب" کہتے ہیں وہی قسم مراد ہوتی ہے۔ جس میں تعدد طرق کا اعتبار نہیں، اور وہ غریب ہو سکتی ہے، بعض نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ حسن غریب کہہ کر امام ترمذی دراصل روایت کی اختلافی حیثیت کو بیان کرنا چاہتے ہیں، اور بعض نے کہا ہے کہ اصل عبارت میں "واؤ" بمعنی "او" ہوتا ہے۔ اور اصل عبارت حسن، "او" غریب ہوتی ہے۔

حافظ ابن الصلاح اپنے مقدمہ میں فرماتے ہیں، کہ ترمذی کے "ہذا حدیث حسن صحیح" کہنے میں اشکال ہے، کیونکہ حسن صحیح سے قاصر ہے، لہذا ان دونوں کا جمع ہونا محال ہے، چنانچہ وہ اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ان کا یہ قول اسناد کی طرف راجع ہے، یعنی یہ حدیث دو سندوں سے مروی ہے، ایک سند حسن ہے، اور دوسری صحیح ہے۔
علامہ زرکشیؒ فرماتے ہیں:-
کہ یہ بھی احتمال ہے کہ حسن سے مراد حسن کا اعلیٰ درجہ ہو اور صحیح سے مراد صحیح کا ابتدائی درجہ ہو"
حافظ ابن حجرؒ نے النکت اور حافظ سیوطیؒ نے التدریب میں اس اشکال کے متعدد جواب دئے ہیں۔ حافظ ابن دقیق العید الاقتراح فی اصول الحدیث میں لکھتے ہیں:-
یجود الادنی کالصدق وعدم التهمه لا ینافی وجود الاعلی کالحفظ مع الصدق فصح وصفه بالحسن بالنظر الی الادنی وبالصحیح بالنظر الی الاعلی الخ معارف السنن ص۳۴ ج۱
اس کے ہم معنی کلام علامہ سیوطیؒ نے التدریب میں نقل کیا ہے، بسا اوقات امام ترمذی اسناد کی ظاہری حالت کی بنا پر "حسن صحیح" کا حکم لگا دیتے ہیں، مثلاً سنن اربعہ میں حضرت انسؓ سے بواسطہ ہمام بن یحییٰ عن ابن جریج عن الزهری عن انسؓ روایت ہے" اذا دخل الخلاء وضع خاتمه " امام ابوداؤدؒ نے اسے منکر کہا ہے اور لکھا ہے کہ معروف روایت بواسطہ زیاد بن سعد عن الزهری یہ ہے انه صلی الله علیه وسلم اتخذ خاتما من ورق ثم القاه وقال الوهم من همام (عون ص۳ ج۱)
اور امام نسائیؒ نے بھی اس روایت کو غیر محفوظ قرار دیا ہے، چنانچہ علامہ عراقی لکھتے ہیں:-
وما قول الترمذی بعد تخریجه له هذا حدیث حسن صحیح غریب فانه اجری حکمه علی ظاهر الاسناد وقول ابی داؤد والنسائی اولی بالصواب (النکت علی ابن الصلاح للعراقی)
الغرض ترمذی کی حسن غریب کے متعلق علماء کے مختلف اقوال ہیں، حافظ ابن حجر عسقلانی النکت (ص۱۲۱) میں ابن دقیق العید کی تطبیق کے متعلق فرماتے ہیں:-
وفی الجملة اقوی الاجوبة ما اجاب به ابن دقیق العید –
والله اعلم

حافظ ابن حجرؒ نے یہاں ایک اور صورت بھی پیش کی ہے۔

"کہ حسن صحیح کا یہ جملہ بمنزلہ تاکید کے ہے، جیسے صحیح ثابتٌ یا جیدٌ قوی کہا جاتا ہے"

پھر لکھا ہے کہ امام دارقطنی اور دیگر محدثین سے بھی اس کی صراحت موجود ہے، کہ وہ کبھی کبھار حدیث کے متعلق ہٰذا حدیث صحیح "ثابت" فرماتے ہیں، جو بمنزلہ تاکید ہوتا ہے۔ اس طرح امام ترمذیؒ کا قول حسنٌ صحیحٌ بھی تاکید پر محمول ہوگا، اور ساتھ ہی اس اعتراض کا جواب دیا ہے، کہ اصل تأسیس ہوتی ہے، تاکید نہیں فرماتے ہیں:-

"وقد یندفع المقلاح بوجود القرینۃ الدالۃ علی ذالک الخ۔

یعنی تاکید کسی قرینہ پر مبنی ہوتی ہے، الغرض متاخرین نے اس اشکال کے دس سے زائد جواب دئے ہیں جو التدریب الراوی للسیوطی، النکت لابن حجر عسقلانی والعراقی میں مفصلاً موجود ہیں" واللہ الموفق علی حقیقۃ الحال"

علو اسناد اور امام ترمذی:-

جامع ترمذی سے جو امام ترمذیؒ کو شرف حاصل ہے، وہ سابقہ صفحات میں آپ معلوم کر چکے ہیں، علاوہ ازیں امام ترمذیؒ کو ایک یہ بھی شرف حاصل ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے درمیان صرف تین واسطے ہیں، جو کہ امام ترمذی رح کی اعلیٰ اسانید سے ہے، اصحاب صحاح الستہ میں سے امام بخاریؒ، ابوداؤد اور ابن ماجہ کے علاوہ صرف امام ترمذیؒ کو یہ شرف حاصل ہے، صحیح بخاری میں ۲۲ احادیث اور ابن ماجہ میں پانچ اور ابوداؤدؒ کی احادیث ثلاثیات مروی ہیں۔ وہ روایت جو امام ترمذیؒ سے تین واسطوں کے ساتھ مروی ہے درج ذیل ہے۔

حدثنا اسمعیل بن موسیٰ الفزاری ابن ابنۃ السدی الکوفی ثنا عمر بن شاکر عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاتی علی الناس زمان الصابر فیہم علی دینہ کالقابض علی الجمر انتہیٰ [1]

یاد رہے کہ علامہ علی القاریؒ نے شرح مشکوۃ میں اس روایت کے متعلق لکھا ہے کہ اس روایت میں امام ترمذی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان دو واسطے ہیں،

---

[1] ترمذی کتاب الفتن صفحہ ج ۲

جو موصوف کی جلالت شان سے بعید تر ہے۔

تسہیل ترمذی :- امام ابو عیسیٰ ترمذیؒ حدیث کے علوم میں عظیم و جلیل امام ہونے کے باوجود بسا اوقات احادیث کی تصحیح و تحسین میں تساہل سے کام لیتے ہیں، مثلاً امام صاحبؒ نے کثیر بن عبداللہ بن عمرو بن عوف المزنی کی حدیث "الصلح جائز بین المسلمین" کو صحیح کہا ہے، حالانکہ کثیر بن عبداللہ کے متعلق امام شافعیؒ اور امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں۔ "رکن من ارکان الکذب" امام دارقطنی اور امام احمد نے متروک کہا ہے، امام نسائیؒ فرماتے ہیں "لیس بثقۃ" علامہ ذہبی المیزان میں کثیر کا ترجمہ ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں :-

"واما الترمذی فروی من حدیثہ الصلح جائز بین المسلمین وصححہ فلھذا لا یعتمد العلماء علی تصحیح الترمذی"

اسی طرح یحییٰ بن یمان کے ترجمہ میں موصوف حدیث ابن عباس ذکر کرنے کے بعد جس کے الفاظ یہ ہیں "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم دخل قبرا لیلا فاسرج لہ سراجا" ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں :-

"حسنہ الترمذی مع ضعف ثلاثۃ فیہ فلا یغتر بتحسین الترمذی انتھی ۔"

بعینہ جب امام ترمذیؒ نے حضرت ابو سعید کی حدیث جو بواسطہ محمد بن الحسن بن یزید بایں الفاظ مروی ہے۔ "یقول الرب تبارک و تعالیٰ من شغلہ القرآن عن ذکری ومسئلتی اعطیتہ افضل ما اعطی السائلین" ـــــــــــــــ ـــــــــــــــ کو حسن کہا ہے، تو امام ذہبی محمد مذکور کے ترجمہ میں اس پر تعاقب کرتے ہوئے فرمایا۔

لیکن یاد رہے کہ امام ترمذی کی تصحیح یا تحسین پر اعتماد اسی وقت نہیں ہو سکتا، جب وہ اپنے اس قول میں منفرد ہوں، اور اگر کوئی اور محدث بھی ان کی موافقت کرے تو ان کی تصحیح و تحسین قابل اعتماد اور معتبر ہو گی۔ (مقدمہ تحفہ)۔

شروح ترمذی :- شروح کے اعتبار سے صحاح الستہ میں الجامع الصحیح للبخاری کے بعد جامع ترمذی کا درجہ ہے، جس کی تقریباً مختلف

اکیس شرحیں لکھی جاچکی ہیں، جو ذیل میں اختصار کے ساتھ ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱) عارضۃ الاحوذی:- حافظ ابوبکر محمد بن عبداللہ الاشبیلی المعروف بابن العربی المالکی المتوفی ۵۴۶ھ کی ہے۔

(۲) المنفح الشذی:- حافظ ابوالفتح محمد بن محمد المعروف بابن سید الناس الشافعی المتوفی ۷۳۴ھ موصوف اپنے وقت کے ائمہ حدیث میں شمار ہوتے ہیں، کشف میں ہے:-

بلغ فیہ الی دون ثلثی الجامع فی نحو عشر مجلدات ولم یتم ولو اقتصر علی فن الحدیث لکان تماماً ثم کملہ الحافظ زین الدین العراقی۔ (انتھی)

لیکن حافظ سیوطیؒ لکھتے ہیں، کہ حافظ عراقی بھی اس کی تکمیل نہیں کر سکے (مقدمہ تحفہ)

(۳) شرح الجامع:- جو حافظ زین الدین العراقی کی ہے، جو مکمل نہیں ہوسکی۔

(۴) شرح الزوائد:- یہ حافظ عمر بن علی بن احمد المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ کی ہے۔ محدث مبارکپوریؒ فرماتے ہیں:-

وھو شرح زوائد علی الصحیحین وابی داؤد۔"

موصوف حافظ عراقی کے معاصرین میں سے ہیں، جنہوں نے بکثرت شروح اور علوم حدیث میں کتابیں لکھی ہیں۔

(۵) اللب اللباب فیما یقول الترمذی وفی الباب:- جو شیخ الاسلام حافظ ابن حجر المتوفی ۸۵۲ھ کی تصنیف لطیف ہے، اور وہ مدینہ منورہ کے کتب خانہ میں ہے۔

(۶) فائدہ:- ہمارے ایک معاصر محترم مولانا فیض الرحمٰن ثوری مدظلہ العالی نے بھی وفی الباب کی احادیث کی تخریج کی ہے۔

(۷) قوت المغتذی:- یہ شرح حافظ جلال الدین السیوطیؒ متوفی ۹۱۱ھ کی ہے، جو فن حدیث میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔

(۸) نفع قوت المغتذی:- یہ علامہ سید علی بن سلیمان المالکی الشاذلی متوفی ۱۲۹۸ھ کی تالیف ہے۔

(۹) ایک شرح حافظ زین الدین عبدالرحمٰن بن احمد ابن رجب حنبلی متوفی ۷۹۵ھ کی ہے

جو آٹھویں صدی کے جلیل القدر محدثین میں شمار ہوتے ہیں، "الدرا لکامنہ"

(۱۰) ایک شرح حافظ ابن حجرؒ کی ہے، جس کا ذکر انہوں نے فتح الباری میں حضرت حذیفہ کی اس حدیث کے تحت کیا ہے، اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سباطة قوم الحدیث چنانچہ فرماتے ہیں :-

لم یثبت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی النہی عنہ ای عن البول قائما شیئ کما بینتہ فی اوائل شرح الترمذی انتہی "

(۱۱) علامہ ابوالطیب سندھی المتوفی ۱۱۰۹ھ نے بھی ایک شرح لکھی ہے :-

(۱۲) ایک شرح علامہ سراج الدین احمدی سرہندی کی ہے جو فارسی میں مطبوع ہے

(۱۳) مختصر الجامع :- لنجم الدین محمد بن عقیل الباسی الشافعی المتوفی ۷۲۹ھ -

(۱۴) شیخ ابوالحسن بن عبدالہادی السندی المدنی المتوفی ۱۱۳۹ھ نے شرح لکھی ہے جو تقریباً چالیس اجزاء پر مشتمل ہے، جسے مؤلفؒ نے حرم میں بیٹھ کر تالیف کیا تھا اور وہ مطبوع ہے -

(۱۵) جائزة الشعوذی :- یہ علامہ بدیع الزمان المتوفی ۱۳۱۰ھ کی تالیف ہے، جو اردو ترجمہ پر مشتمل ہے -

(۱۶) المختصر الجامع :- جو علامہ نجم الدین سلیمان بن عبدالقوی الطوفی المتوفی ۷۱۰ھ کی تالیف ہے -

(۱۷) ھدیة الآموذعی بنکات الترمذی :- یہ تصنیف لطیف علامہ ابوالطیب محمد شمس الحق محدث ڈیانوی عظیم آبادی صاحب غایة المقصود شرح ابی داؤد وعون المعبود شرح ابی داؤد کی ہے -

(۱۸) تحفة الاحوذی، یہ عظیم شرح علامہ محمد عبدالرحمن المتوفی ۱۳۵۳ھ محدث مبارکپوری ہندی نوراللہ مرقدہ کی ہے جو چار جلدوں میں مطبوع ہے -

(۱۹) التعلیقات علی الترمذی، الشیخ احمد بن شاکر کی تصنیف لطیف ہے، اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں جامع ترمذی" کے متن کی تصحیح کا التزام کیا گیا ہے، لیکن افسوس کہ مکمل نہ ہو سکی، اگر مکمل ہو جاتی تو جامع ترمذی کا ایک صحیح ترین متن امت کے لئے باعث افتخار ہوتا۔ اس کی تکمیل اگرچہ ہو چکی ہے لیکن تصحیح متن کا وہ التزام

جو شیخ شاکرؒ کے مرہون منت نہ تھا وہ نہیں ہے۔

(۲۰) ایک شرح علامہ محمد طاہر فتنی المتوفی سنہ ۹۸۶ھ صاحب "مجمع البحار" کا ہے۔

(۲۱) معارف السنن کے نام سے علامہ محمد یوسف صاحب بنوری مقیم کراچی ترمذی کی شرح لکھ رہے ہیں، اور اس کے پانچ اجزاء طبع ہو چکے ہیں۔ ابھی مکمل نہیں ہوئی

(تنبیہ) شیخ احمد شاکرؒ کی تعلیقات ترمذی کے عدم اکمال کا ہم نے پہلے تاسف کے ساتھ تذکرہ کیا ہے، (کتاب الصلوٰۃ تک ہے) باقی ماندہ پر شیخ محمد فواد..........

(۲۲) عبد الباقی نے کام شروع کیا، جس میں انہوں نے زیادہ تر تخریج احادیث پر اکتفا کیا ہے جو غالباً صحاح ستہ کی کتابوں پر ہی موقوف ہے۔ آپ نے یہ کام "کتاب الاحکام" تک سرانجام دیا ہے۔

(۲۳) اس کے بعد بقیہ کام شیخ ابراہیم عطوہ نے جو جامعہ ازھر کے استاد ہیں نے کیا جو نہایت لطیف تعلیقات پر مبنی ہے۔ اس طریق پر تمام ہونے کے بعد جامع ترمذی مصر سے پانچ جلدوں میں مختلف اصحاب التعلیقات کی زیر نگرانی طبع ہوئی۔

شیخ احمد شاکرؒ نے دو جلدوں میں احادیث کی تعداد ۷۱۶ ذکر کی ہے، بعدہ شیخ محمد فواد نے مجموعی اعتبار سے ۱۳۸۵ احادیث کا استیعاب کیا اور بقیہ کام جو شیخ ابراہیم عطوہ نے کیا، اس کے تحت جامع ترمذی کی جملہ احادیث ۳۹۵۶ بتائی گئی، نیز یاد رہے یہ جملہ نسخے معرب ہیں۔

(۲۴) علامہ محمد انور کاشمیریؒ کی امالی کی طرح مولانا رشید احمد گنگوہی کی بھی تقریر مطبوع ہے، جو الکوکب الدری فی شرح الترمذی کے نام سے مشہور ہے، جس میں صرف اختلافی مسائل پر بحث ہے، اور بعض مباحث تفصیل سے آ گئے ہیں۔

(۲۵) مولانا اصغر حسین صاحب پرنسپل مدرسہ دار الھدیٰ پٹنہ نے حنفی نقطہ نظر سے طلبہ کے استفادہ کے لئے نزول الثوی کے نام پر ترمذی کی احادیث کے متعلق مختلف قسم کے سوالات اور ان کے جوابات لکھے ہیں، جس کا ایک حصہ مطبوع ہے[1]

---

[1] تذکرۃ المحدثین صفحہ ۲۳۹۔

خصوصیات ترمذی :- امام ترمذیؒ کی اس تصنیف کا مقام گو صحیح بخاری و مسلم کے بعد ہے، تاہم اس میں بعض ایسے فوائد ہیں، جو ان دو کتابوں میں کیا جملہ کتب حدیث سے یکسر مفقود ہیں۔ شیخ ابراہیم البیجوریؒ لکھتے ہیں :-

تاھیك بجامعہ الصحیح الجامع للفوائد الحدیثیہ والفقیہ والمذاھب السلفیہ والخلیفہ فھو کاف للمجتھدین مغن المقلد (انتھی)

جامع ترمذی کی خصوصیت کے تحت چند اقوال ہم پہلے نقل کر آئے ہیں : محدث مبارک پوریؒ نور اللہ مرقدہٗ نے مقدمہ تحفہ ص۱۷۵ میں اس پر تفصیلاً گفتگو فرمائی ہے۔ جامع ترمذی کو اگر بغور پڑھا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے، کہ یہ کتاب چودہ (۱۴) علوم پر حاوی ہے۔ جو درج ذیل ہیں :-

(۱) بیان سند (۲) تصحیح حدیث (۳) سقم روایت کا بیان۔ (۴) جرح رواۃ (۵) تعدیل رواۃ (۶) مبہم راویوں کے نام کی تصریح (۷) راویوں کی کنیت اور اسماء کا ذکر (۸) بیان وصل (۹) بیان قطع (۱۰) بیان ارسال (۱۱) اظہار معمول بہ۔ (۱۲) متروک کا ایضاح (۱۳) تاویل حدیث میں اختلاف اقوال (۱۴) رد و قبول آثار کے بارے میں اختلاف علماء (۱۵) گاہے بگاہے فقہی مسئلہ پر خود گفتگو بھی کرتے ہیں، مثلاً سورہ بقرہ کی تفسیر میں اذا طلقتم النساء الآیۃ فرماتے ہیں :-

وفی ھٰذا الحدیث دلالۃ علی انہ لایجوز النکاح بغیر ولی لان اخت معقل ابن یسار کانت مثیبًا فلولا کان الامر الیھادون ولیھا لزوجت نفسھا ولم تحتج الی ولیھا معقل بن یسار (انتھی ۱۲)

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ امام ابوحنیفہؒ چونکہ ثیبہ کا نکاح بغیر ولی کے جائز سمجھتے ہیں تو امام صاحبؒ یہاں اس مسلک کی تردید کر رہے ہیں۔

(۱۶) کبھی امام صاحب راوی کے بارے میں عدم علم کا اظہار فرماتے ہیں، لیکن ضروری نہیں کہ یہ واقعتہً ایسے ہی ہو تتبع سے اس کی صراحت مل جاتی ہے۔ مثلاً سورۃ نساء کی تفسیر کے ابتداء میں فرماتے ہیں :

"وابو امامة الانصاری هو ابن ثعلبه ولا تعرف اسمہ"

حالانکہ کتب رجال سے ابوامامۃ کے نام کی صراحت ملتی ہے۔ چنانچہ علامہ الدولابی نے کتاب الکنیٰ صـ۱۲ میں ان کے نام کی صراحت "ایاس" سے کی ہے، اور حافظ ابن حجرؒ نے تقریب میں قیل کے ساتھ عبداللہ بن ثعلبۃ اور ثعلبۃ بن عبداللہ بھی ذکر کیا ہے۔

(۱۷) حدیث کے ذکر کرنے کے بعد اکثر وفی الباب حدیث فلاں وفلاں ذکر کرتے ہیں۔ جس میں اس حدیث کے تعدد طرق کی طرف اشارہ ہوتا ہے، لیکن اس کا یہ مفہوم قطعاً نہیں کہ دیگر طرق سے جو روایات مروی ہیں وہ بھی انہی الفاظ سے ہوں، چنانچہ علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں:۔

"فانه لا یرید ذالك الحدیث المعین بل یرید احادیث اُخر یصح ان تکتب فی الباب (التدریب)

امام بخاریؒ اور امام ترمذیؒ :۔

امام ترمذیؒ نے اپنے شیخ امام بخاریؒ سے متعدد روایتیں لی ہیں۔ اس کے علاوہ اصولی اور فقہی استفادہ بھی کیا ہے، ذیل میں ہم ان مواضع کی نشاندہی کرتے ہیں جن میں امام ترمذیؒ نے امام بخاریؒ سے استفادہ کیا ہے، چنانچہ ہماری تتبع کے مطابق (۱۱۳) مقامات ایسے ہیں، جن میں آپ نے اپنے شیخ امام بخاریؒ سے استفادہ کیا ہے۔ کتاب الطہارت میں ۱۳ مقامات پر، کتاب الصلوٰۃ میں ۲۱، کتاب الزکوٰۃ میں ۴، کتاب الصوم میں چھ۶، کتاب الحج میں پانچ۵، کتاب الجنائز میں سات، کتاب النکاح میں سات، کتاب البیوع میں تین، کتاب الاحکام میں دو۲، کتاب الحدود میں چار، ابواب العید میں ایک(۱)، ابواب النذور والایمان میں تین، ابواب فضائل الجہاد میں چھ، کتاب اللباس میں پانچ۵، ابواب الاطعمہ میں دو۲، ابواب الاشربہ میں ایک(۱)، ابواب البر والصلۃ میں ایک(۱)، ابواب الفتن میں ایک(۱)، ابواب صفۃ الجنۃ میں تین۳، ابواب صفۃ الجنۃ میں ایک(۱)، ابواب الاستیذان میں پا۵نچ، ابواب فضائل القرآن میں تین۳، ابواب التفسیر میں پانچ، باب ماجاء فی الدعوات میں تین، ابواب المناقب میں دو۲۔ ان مواضع میں استفادہ کے باوجود بعض مواقع پر امام صاحب نے امام بخاری سے اختلاف بھی کیا ہے، ذیل میں ان مواضع کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

(۱) باب الاستنجاء بالحجرین" عن ابن مسعود رض قال خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم لحاجۃ فقال التمس لی ثلاثۃ احجار اس کے تحت امام ترمذی رح اس حدیث کے مختلف طرق بیان کرتے ہوئے امام بخاری رح سے نقل فرماتے ہیں :۔ وسألت محمدا عن هذا فلم یقض فیہ بشی کانہ رأی حدیث اسحٰق عن عبد الرحمٰن بن الاسود عن ابیہ عن عبد اللہ اشبہ ووضعہ فی کتابہ الجامع اصح شئی فی هذا الباب حدیث اسرائیل۔ انتھیٰ :۔ اس کے بعد اسرائیل کی حدیث میں وجہ ترجیح ذکر کرکے زھیر کے طریق کو ضعیف قرار دیا ہے، جسے امام بخاری نے اپنی "الصحیح" میں ذکر کیا ہے، لیکن اگر بغور دیکھا جائے تو زھیر کی حدیث کو ہی ترجیح دی جائے گی، امام ترمذی رح نے اسرائیل کی روایت میں جو وجہ ترجیح ذکر کی ہے، وہ اس میں بھی موجود ہے، ہم اس بحث کا ملخص ذکر کرتے ہیں۔

(۱) یہ کہنا کہ اسرائیل احفظ ہے تو امام ابو داؤد فرماتے ہیں :۔ زھیر فوق اسرائیل بکثیر۔

(۲) اگر اسرائیل کی متابعت ثابت ہے تو زھیر کی متابعت بھی شریک القاضی ابراہیم بن یوسف، ذکریا بن حماد، اور ابو مریم سے ثابت ہے۔

(۳) رہا یہ کہنا کہ زھیر نے بعد از اختلاط سنا ہے، تو امام احمد کی تصریح کے مطابق اسرائیل نے بھی اسحٰق سے آخر میں سنا ہے فما الفرق بینھما، ابن معین فرماتے ہیں :۔

زکریا و زهیر و اسرائیل حدیثهم فی ابی اسحٰق قریب من سواء۔ میزان ص۹۸ ج۱

نیز اسرائیل کی روایت جو ابو عبید عن ابن مسعود رض ہے، اس میں خود امام ترمذی رح کے نزدیک ابو عبیدہ کا سماع ابن مسعود رض سے ثابت نہیں ہے۔ اس کے برعکس دوسری روایت متصل ہے، ابو اسحٰق کی تدلیس کا شبہ ابراہیم کی متابعت سے ہو جاتا ہے۔ جس میں سماع کی تصریح ہے، اخرجہ البخاری۔ ہم صحیح بخاری کے فوائد میں اس پر مفصل بحث کر چکے ہیں۔

(۲) "باب ما ذکر فی الشرب بنفیس" کے تحت حدیث ابن عباس رض کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

"لانعرفه الا من حديث رشدين بن كريب قال وسألت عبد الله ابن عبد الرحمن عن رشدين بن كريب قلت هو اقوى ام محمد بن كريب قال ما اقربهما ورشدين بن كريب ارجحهما عندي وسألت محمد بن اسمعيل عن هذا فقال محمد بن كريب ارجح من رشدين بن كريب والقول عندي ما قال ابو محمد عبد الله بن عبد الرحمن"

لیکن یاد رہے کہ امام بخاری رح محمد بن کریب کو راجح کہتے ہیں، اور وہ اس میں منفرد نہیں بلکہ امام ابوحاتم نے اُن کی متابعت کی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں :-

" یکتب حدیثه وهو احب الی من اخیه رشدین"

امام ترمذیؒ نے سورہ " الطور" کی تفسیر میں رشدین کے طریق سے ذکر کرتے ہوئے اس اختلاف کو ذکر کیا ہے، تتبع سے ایسے دو ہی مقام نظر آئے ہیں، جہاں بالقصد آپ نے امام بخاریؒ کی مخالفت کی ہے، اب ہم اس سلسلہ میں مزید چند فوائد ذکر کرتے ہیں۔

(۱) امام بخاری سے امام ترمذیؒ نے صرف اسناد کے متعلق ہی استفسار نہیں کیا بلکہ کبھی اصولی مسئلہ بھی ذکر کرتے ہیں مثلاً باب ما جاء اذا ادیت الزکوٰۃ تحفہ ص۷ ج۲ میں حضرت انسؓ کی حدیث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں :-

"سمعت محمد بن اسمعیل یقول قال بعض اهل العلم فقه هذا الحدیث ان القراءة علی العالم والعرض علیه جائز مثل السماع -" اور بسا اوقات فقہی مسئلہ بھی ذکر فرماتے ہیں۔

چنانچہ ص۳۳ ج۳ مع التحفہ میں حضرت ابوسعیدؓ کی روایت کے بعد فرماتے ہیں، اہل علم کا اختلاف ہے کہ جنت میں جماع ہوگا، لیکن اولاد نہ ہوگی۔

وقال محمد قال اسحق بن ابراهیم فی حدیث النبی صلی الله علیه وسلم اذا اشتهی المؤمن من الولد فی الجنة کان فی ساعة کما یشتهی وقد روی عن ابی رزین عن النبی صلی الله علیه وسلم ان اهل الجنة لایکون لهم فیها ولد انتهی ملخصاً

(۲) اور کبھی صرف امام بخاریؒ ہی سے جرح نقل کرنے پر اکتفا نہیں کرتے، بلکہ ان کی تائید میں دیگر کبار محدثین سے بھی جرح نقل کرتے ہیں :-

مثلاً ص ۵۵ ج ۲ مع التحفہ میں حضرت انس کی معروف روایت جس کے الفاظ یہ ہیں :-

"عرضت علی اجور امتی حتی القذاۃ - (الحدیث)

ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں :-

"ذاکرت بہ محمد اسماعیل فلم یعرفہ واستغربہ قال محمد ولا اعرف للمطلب بن عبد اللہ بن حنطب سماعا من احد من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا قولہ حدثنی من شھد خطبۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم و سمعت عبد اللہ بن عبد الرحمن یقول لا نعرف للمطلب سماعا من احد من اصحاب النبی ﷺ قال عبد اللہ وانکر علی ابن المدینی ان یکون المطلب سمع من انس انتہی بلفظہ

(۳) امام صاحب سے صرف جرح رواۃ پر کلام ذکر نہیں کرتے، بلکہ نفس حدیث کے متعلق بھی کچھ دریافت کرتے ہیں، مثلاً تحفہ ص ۱۷۵ ج ۲ میں حضرت معاذ بن جبل کی روایت ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں :-

ھذا الحدیث حسن، صحیح سالت محمد بن اسماعیل عن ھذا الحدیث فقال ھذا صحیح الخ -

(۴) کبھی ایک حدیث کو ضعیف کہتے ہیں، لیکن امام بخاریؒ سے اس کے علاوہ مزید فائدہ کے لئے کلام نقل کرتے ہیں، جس کا تعلق ماقبل سے ہوتا ہے، مثلاً ایک جگہ پر فرماتے ہیں :-

"ھذا احدیث غریب ولیس اسنادہ بصحیح وسمعت محمد بن اسمٰعیل یقول محمد بن السائب الکلبی یکنی ابا النضر ولا نعرف لسالم ابی النضر المدینی روایۃ عن ابی صالح مولی ام ھانی -"

(۵) بعض مواضع ایسے بھی ملتے ہیں، جن میں امام ترمذی اور دیگر اصحاب کتب کے امام بخاریؒ کے کلام نقل کرنے میں تعارض ہوتا ہے، مثلاً امام صاحبؒ باب ماجاء عن زرع فی ارض قوم بغیر اذنھم" کے تحت حضرت رافع بن خدیج کی روایت نقل کرکے فرماتے ہیں۔

سالت محمد بن اسماعیل عن ھذا الحدیث فقال ھو حدیث

حسن" دمع التحفہ صـ ۲۹۱ ج ۲

یہ روایت سنن نسائی کے علاوہ کتب خمسہ میں موجود ہے، امام ابوداؤد نے بھی یہ حدیث مذکورہ بالا عنوان کے تحت ہی ذکر کی ہے، علامہ خطابی اس کی شرح میں فرماتے ہیں

ضعفہ البخاری ایضا وقال تفرد بذالک شریک عن ابی اسحق وشریک یھم کثیرا واحیانا۔ معالم السنن ص ۹۶ ج ۳۔

معلوم نہیں علامہ خطابیؒ نے امام بخاری کی یہ کلام کہاں سے اخذ کی ہے، تاہم حدیث کی اسناد پر غور کیا جائے تو یہ روایت حسن کے درجہ تک نہیں پہنچتی، کیونکہ شریک بن عبداللہ اس روایت میں منفرد ہے، اور اگر اس کا تفرد دوسری سند سے مرتفع ہوجاتا ہے جیسے امام ترمذیؒ نے امام بخاریؒ ہی سے نقل کیا ہے، لیکن اس کے باوجود عطاء کا سماع رافع بن خدیج سے ثابت نہیں، نیز اس میں عقبہ اس میں ضعیف ہے۔ الغرض روایت کے جملہ طرق ضعیف ہونے کے ساتھ منقطع بھی ہے۔ بایں وجہ امام بیہقی اور موسیٰ بن ہارون نے اسے ضعیف کہا ہے۔ واللہ اعلم۔

(۶) بسا اوقات امام ترمذیؒ، امام بخاریؒ سے کسی راوی کے متعلق دریافت کرتے ہیں تو اگر امام بخاریؒ عدم علم کا اظہار فرمادیں تو امام ترمذیؒ کبار محدثین میں سے کسی ایک کی تصریح پیش کرتے اور تائید کے متمنی ہوتے ہیں مثلاً باب ماجاء عن المستحاضۃ تتوضأ لکل صلوٰۃ" کے تحت عدی بن ثابت عن ابیہ عن جدہ طریق سے روایت ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:۔

وسألت محمدا عن ھذا فقلت عدی بن ثابت عن ابیہ عن جد عدی ما اسمہ فلم یعرف محمد اسمہ وذکرت لمحمد قول یحیوا بن معین اسمہ دینار فلم یعبأ بہ ۱۲ مع التحفہ ص ۱۱۹ ج ۱

یاد رہے کہ ترمذی مع التحفہ ص ۶ ج ۴ میں عدی بن ثابت عن ابیہ عن جدہ طریق سے ایک اور روایت مذکور ہے لیکن وہاں فلم یعبأ بہ کے الفاظ ذکر نہیں کئے۔

تنبیہ:۔ امام ترمذی اور امام بخاری کی آراء میں اختلاف کے مواضع ہم قبل ازیں جا گر کر چکے ہیں، لیکن ہمارے بعض معاصرین نے ان مواضع کے علاوہ ایک اور جگہ کی بھی نشاندہی کی ہے، جو دراصل غلط فہمی پر مبنی ہے، چنانچہ باب مایقول اذا

دخل الخلاء" کے تحت جو اضطراب امام صاحب نے ذکر کیا ہے، اس کے متعلق لکھتے ہیں :-

فمع نقل الاحتمال عن شیخه لم یتوجه الیه ولم یمتنع عن حکمه بالاضطراب فی الاسناد انتهی (القول الحسن لابن التیموی، ص۳)

حالانکہ امام ترمذیؒ کی عبارت سے قطعاً یہ مفہوم نہیں ہوتا، بلکہ انہوں نے اولاً وجہ اضطراب ذکر کی بعدہ اس کی توجیہہ میں، امام بخاریؒ کا قول نقل کیا ہے، علامہ یوسف رح بنوری مذکورہ اضطراب کی وضاحت کے بعد فرماتے ہیں :-

دفعه الترمذی بقول شیخه یحتمل ان یکون قتادة روی عنهما جمیعا وبه صرح العینی فی العمدة الخ (معارف السنن ص۸)

لہذا فاضل موصوف کا امام ترمذی اور امام بخاری کے درمیان اختلاف ظاہر کرنا کسی قوی قرینہ سے ثابت نہیں ہوتا - فتفکر-

تنبیہ آخر :- امام ترمذی رح کتاب السفر میں امام بخاری رح سے ایک حدیث نقل فرماتے ہیں :-

"مارویٰ ابن ابی لیلیٰ حدیثا اعجب الیّ من هذا" مع التحفه ص۳۸۶

اس حدیث کے الفاظ ہیں

عن ابن عمر قال صلیت مع النبی صلی الله علیه وسلم فی الحضر والسفر فصلیت معه فی الحضر الظهر اربعا وبعدها رکعتین وصلیت معه فی السفر الظهر رکعتین والمغرب فی الحضر والسفر سواء ثلاث رکعات وبعدها رکعتین انتهی-

اس حدیث کو امام بخاریؒ نے یہاں اجود کہا ہے، لیکن یہ روایت صحیح بخاری کے معارض ہے، چنانچہ الصحیح میں باب من لم یتطوع فی السفر دبر الصلٰوة وقبلها کے تحت حضرت ابن عمرؓ سے دو روایتیں لائے ہیں، دوسری کے الفاظ یہ ہیں :-

صحبت رسول الله صلی الله علیه وسلم علی لم رکعتین وابابکر وعمر وعثمان کذالك انتهی -

لہذا سوال پیدا ہوتا ہے کہ ابن عمر کی اس روایت کو اجود کہنا کس معنیٰ میں ہے -

علامہ عراقی اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ روایت مطلق نفل پڑھنے سے مانع

نہیں ہے، رہے سنن رواتب تو الصحیح کی روایت اغلب حالات پر محمول ہوگی، اور ترمذی کی روایت بعض اوقات پر، یا یہ کہا جائے گا کہ بسا اوقات جب سفر میں آپ نے پڑاؤ ڈالا ہو تو آپ فارغ ہوں گے۔ بایں وجہ آپ نے زائد سنتیں پڑھ لیں، لیکن ظاہر رہے کہ دوسرے احتمال میں نظر ہے، اور احتمال اول اگرچہ قوی معلوم ہوتا ہے لیکن دونوں حدیثوں کے الفاظ اس کا انکار کرتے ہیں۔

البتہ یہ بات کہ اجود کے الفاظ یہاں اصح شئی کے قبیل سے ہیں جو اصول کے عین مطابق ہے، جس سے تعارض بھی پیدا نہیں ہوتا۔ ہماری اس تاویل پر درج ذیل امور شاہد ہیں۔

(۱) اس حدیث کو ذکر کرنے میں امام ترمذیؒ منفرد ہیں۔ (۲) اس حدیث کی دو سندیں ہیں۔ ایک بواسطہ حجاج عن عطیہ عن ابن عمرؓ اور دوسری بواسطہ ابن ابی لیلیٰ عن عطیہ و نافع عن ابن عمر ہے۔ پہلی روایت میں حجاج بن ارطاۃ اور عطیہ بن سعد بن جنادۃ الکوفی ہیں، جو باوجود متکلم فیہ ہونے کے سیئ الحفظ اور مدلس ہیں، جس کی وجہ سے پہلی روایت سنداً ضعیف ہے، رہی دوسری تو وہ بھی ضعیف ہے، لیکن پہلی سے پھر بھی بہتر ہے، کیونکہ ابن ابی لیلیٰ اس میں بھی سیئ الحفظ اور متکلم فیہ ہے۔ پھر الصحیح کی روایت اس کے معارض ہے، جس کی بنا پر یہ روایت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی، اور تعارض کے لئے شرط یہ ہے کہ دونوں روایتیں ہم مرتبہ ہوں "ولیس کذالک ھھنا واللہ اعلم"

قول الترمذی "اصح شئ" فی ھذا الباب:- امام ترمذیؒ اور دیگر محدثین یہ الفاظ کبھی دو حدیثوں یا دو قولوں کے بعد بھی ذکر کرتے ہیں۔ اس سے اصح کا معنی کبھی حقیقی مراد ہوتا ہے۔ اور کبھی اس سے مراد ایک کی نفی اور دوسرے قول کی صحت کا بیان مقصود ہوتا ہے، اور کبھی دونوں حدیثیں ضعیف ہوتی ہیں، لیکن ان میں سے ایک میں ضعف نسبتاً کم درجہ کا پایا جاتا ہے۔ اس نسبت کی بنا پر اسے دوسری سے اصح کہا جاتا ہے، امام ابوداؤدؒ سنن کی کتاب الطلاق میں رکانہ کی حدیث کے ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں

"قال ابو داؤد وھذا اصح من حدیث ابن جریج"

حافظ ابن القیمؒ تلخیص السنن میں اس مقام پر رقمطراز ہیں:-

ان ابا داؤد ولم یحکم بصحتہ وانما قال بعد روایتہ ھذا اصح من حدیث ابن جریج انہ طلق امرأتہ ثلاثا وھذا لا

یدل علی ان الحدیث عندہ صحیح فان حدیث ابن جریج ضعیف وھذا ضعیف ایضا فھو اصح الضعیفین عندہ وکثیرا ما یطلق اھل الحدیث ھذہ العبارۃ علی ارجح الحدیثین الضعیفین وھو کثیر من کلام المتقدمین ولو لم یکن اصطلاحا لھم لم تدل اللغۃ علی اطلاق الصحۃ علیہ فانک تقول لاحد المریضین ھذا اصح من ھذا ولا یدل انہ صحیح مطلقا انتھی (مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص۱۹۶)

ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ :- کتب اسماء الرجال و تراجم ائمہ حفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ تین ائمہ حدیث "ترمذی" کے نام سے مشہور ہیں

(۱) "ابو عیسیٰ ترمذی صاحب الجامع" (۲) ابو الحسن احمد بن الحسن بن الترمذی الکبیر کے نام سے مشہور ہیں، حافظ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں فرماتے ہیں :-

الترمذی الکبیر ھو الحافظ العالم ابو الحسن احمد بن الحسن الترمذی سمع یعلی بن عبید وابا النضر حدث عنہ البخاری وابو عیسی الترمذی وابن ماجہ وغیرھم

موصوف سنہ ۲۴۰ھ کے بعد فوت ہوئے ہیں، جیسا کہ علامہ ذہبی نے تذکرہ میں کہا ہے

(۳) ابو عبد اللہ محمد بن علی بن الحسن ابو عبد اللہ الزاہد الحافظ المؤذن المتوفی ۲۵۵ھ المشہور بالحکیم الترمذی نوادر الاصول ان کی مشہور تصنیف ہے، موصوف بہت بڑے صوفی اصحاب کشف میں شمار ہوتے ہیں۔ قاضی ابن العدیم صاحب تاریخ حلب نے کہا ہے۔ کہ لم یکن من اھل الحدیث ولا روایۃ لہ لسان ج ۵ ص ۳۰۸ حافظ فرماتے ہیں وحماہ انکرھا علیہ انہ کان یفضل الولایۃ علی النبوۃ

تنبیہ :- ہمارے بعض معاصرین نے لکھا ہے کہ امام ترمذیؒ نے کبھی کبھی امام مسلمؒ سے بھی اختلاف کیا ہے، مثلاً باب مایقال بعد الوضوء" میں حضرت عمرؓ کی یہ حدیث نقل کر کے کہ" قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من توضأ فاحسن الوضوء ثم قال اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ" اور اس کے طرق کی تفصیل بیان کر کے فرماتے ہیں :-

"ھذا حدیث فی اسنادہ اضطراب ولا یصح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی ھذا الباب کثیر شیئ"

حالانکہ حضرت عمرؓ کی یہ روایت صحیح مسلم میں مذکور ہے۔ ابن ماجہ اور علم حدیث ص ۲۲۹

امام ترمذی رحؒ کے امام مسلم رحؒ سے نفس اختلاف کا تو انکار نہیں کیا جا سکتا، ممکن ہے انہوں نے اختلاف کیا ہو اور اختلاف کا ہر ایک کو حق پہنچتا ہے، اور پھر جب وہ امام بخاریؒ سے اختلاف کر سکتے ہیں تو امام مسلمؒ سے کیوں نہیں؟ لیکن ہمارے معاصر کی اپنے اس مدعٰی پر یہ مثال پیش کرنا درست نہیں، کیونکہ صحیح مسلم میں یہ روایت صرف ذکر شہادتین پر مشتمل ہے، صحیح مسلم ہی نہیں بلکہ جملہ طرق میں "واجعلنی من التوابین" الخ کے الفاظ مذکور نہیں، جیسا کہ الشیخ احمد شاکرؒ نے تعلیقات ترمذی میں تصریح کی ہے۔ البتہ مجمع الزوائد میں حضرت ثوبان سے مزید "واجعلنی الخ الفاظ مروی ہیں، لیکن یہ روایت بھی ضعیف ہے، الغرض امام ترمذیؒ حضرت عمرؓ کی جس روایت پر اضطراب کا حکم لگا رہے ہیں، وہ مجمع الزوائد والی روایت ہے، جس میں واجعلنی الخ کے الفاظ ہیں نہ کہ وہ روایت جس میں صرف شہادتین کا ذکر ہے، یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجرؒ تلخیص میں فرماتے ہیں:۔

"لکن روایۃ مسلم سالمۃ من ھذا الاعتراض"

لہذا اسے امام مسلمؒ سے اختلاف پر بطور مثال پیش کرنا درست نہیں۔ واللہ اعلم

"ندعوا اللہ تعالیٰ ان یحفظنا من العصبیۃ وحمیۃ الجاھلیۃ"

فائدہ:۔ ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں کہ امام ترمذی رحؒ امام بخاریؒ سے ایک کلام نقل کرتے ہیں لیکن دیگر اصحابِ کتب امام بخاری سے اس کے خلاف ذکر کرتے ہیں، اس طرح امام ترمذی نے جو مذاہب بیان کئے ہیں، گو انہوں نے ان اقوال کی سند پیش کر دی ہے تاہم بعض مقامات پر علماء نے ان کی اس نقل سے اتفاق نہیں کیا جس کی چند امثلہ ہم پیش کرتے ہیں:۔

(۱) "باب زکوٰۃ العسل" میں حضرت ابن عمرؓ کی حدیث کے بعد فرماتے ہیں:۔

"والعمل علی ھذا عند اکثر اھل العلم وبہ یقول احمد واسحاق وقال بعض اھل العلم لیس فی العسل شیئ"۔

یہاں شہد کی زکوٰۃ پر امام ترمذی نے اکثر اہل علم کا عمل نقل کیا ہے، حالانکہ ابن المنذر نے جمہور سے نقل کیا ہے کہ شہد میں زکوٰۃ نہیں ہے، حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں ابن المنذر کا یہ قول ذکر کرنے کے بعد علامہ عراقی سے نقل کرتے ہیں:۔

"واشار شیخنا الی ان الذی نقلہ ابن المنذر اقوی"

(۲) "باب ماجاء فی قیام شھر رمضان" میں قیام اللیل کا ذکر کرتے ہوئے امام ترمذیؒ نے اہل مدینہ کا عمل اکیس ۲۱ رکعت بتایا ہے، حالانکہ اہل مدینہ کا عمل چھتیس ۳۶ رکعت پر تھا، اور امام مالکؒ جو امام دار الھجرۃ کے لقب سے ملقب ہیں، وہ گیارہ رکعت کے قائل تھے، جیسا کہ علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں تصریح کی ہے۔

(۳) "باب ماجاء فی اعادتھما بعد طلوع الشمس" کے تحت حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث "من لم یصل رکعتی الفجر فلیصلھما بعد ما تطلع الشمس" ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں، کہ اسی حدیث پر سفیان ثوریؒ، شافعیؒ، احمدؒ، اسحاقؒ اور ابن مبارکؒ کا عمل ہے، مگر امام شافعیؒ کی طرف اس کی نسبت درست نہیں، علامہ شوکانیؒ رقمطراز ہیں:-

قال العراقیؒ والصحیح من مذھب الشافعیؒ انھما یفعلان بعد الصبح ویکونان اداءً۔ الخ[1]

(۴) "باب رفع الیدین عند الرکوع" کے تحت حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث جو کہ عدم رفع الیدین کے متعلق ہے ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:-

وبہ یقول غیر واحد من اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم والتابعینؒ وھو قول سفیانؒ واھل الکوفۃ"

غیر واحد سے تو یہی متبادر ہوتا ہے کہ اکثر صحابہ کرامؓ اور تابعین کا یہی مسلک تھا، حالانکہ حقائق اس کے برعکس ہیں، صحابہ کرامؓ و تابعینؒ سے تو صرف حضرت ابن مسعودؓ، حضرت عمرؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت اسودؒ، حضرت علقمہؒ، حضرت شعبیؒ، حضرت نخعیؒ ہی کے نام ملتے ہیں، جن میں سے حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت ابن عمرؓ سے اس کے خلاف بھی ثابت ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اکثر صحابہ کا رفع الیدین پر ہی عمل تھا، امام بخاریؒ، جزء رفع الیدین میں فرماتے ہیں:-

"قال الحسن وحمید بن ھلال کان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرفعون ایدیھم لم یستثن احداً فھم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم دون احد ولم یثبت عند اھل العلم

---

[1] نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۵۔

عن احد من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ لم یرفع یدیہ ویروی ایضاً عن عدۃ من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما وصفنا وکذلک روایتہ عن عدۃ من علماء اھل مکۃ واھل الحجاز واھل العراق والشام والبصرۃ والیمن وعدۃ من اھل خراسان الخ

امام بخاریؒ کا یہ قول اس پر صریح طور پر دال ہے کہ اکثر صحابہ و تابعین کا رفع الیدین پر ہی عمل تھا، اور امام مروزیؒ نے تو یہاں تک فرمایا ہے[1]:

"اجمع علماء الامصار علی مشروعیۃ ذلک الا اھل الکوفہ"

یعنی اہل کوفہ کے علاوہ جملہ ممالک کے علماء کا اس کی مشروعیت پر اتفاق ہے تو ایسے محکم و صریح اقوال کے پیشِ نظر امام ترمذیؒ کا یہ فرمانا کہ عدم رفع الیدین پر اکثر صحابہ کا عمل تھا، درست معلوم نہیں ہوتا۔

الغرض اس قسم کی متعدد امثلہ ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ امام ترمذیؒ کے نقل مذاہب پر علماء نے بسا اوقات اتفاق نہیں کیا۔ اس قسم کی متعدد امثلہ ہمارے زیر نظر ہیں، لیکن بخوف طوالت ہم انہیں نظر انداز کر دیتے ہیں۔

واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

---

[1] سرح ا ص ۲۱۹۔

امام ابن ماجہ قزوینی رحمۃ اللہ علیہ

۲۰۹ھ ۲۷۳ھ

نام ونسب :- نام محمد ابو عبداللہ کنیت، ابن ماجہ لقب القزوینی نسبت ہے اور شجرہ نسب محمد بن یزید بن عبداللہ (بستان المحدثین مترجم ص۱۹۸) ماجہ کے بارے میں اختلاف ہے، بعض نے تو اسے دادا کا نام بتلایا ہے، اور بعض نے والدہ کا علامہ زبیدیؒ فرماتے ہیں :- "وھناك قول آخر وصححوه وھوان ماجة اسم لابیه واللہ اعلم" اور شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے بھی بستان میں اس کی صحت کی طرف رغبت کی ہے۔ اور یہی قول حضرت النوابؒ نے اتحاف اور الحطہ میں نقل کیا ہے (ابن ماجہ اور علم حدیث) مگر شاہ صاحب موصوفؒ نے اسے عجالہ میں والد کا لقب قرار دیا ہے۔

" وماجہ پدر ابی عبداللہ نہ لقب جد او نہ نام مادرہ عجالہ مع فوائد ص۲۳ -

اور مورخ خلیلی قزوینی فرماتے ہیں - ماجہ یزید کا عرف ہے، اور یہ فارسی نام ہے، کبھی ان کا شجرہ نسب یوں بھی بیان کیا جاتا ہے۔ محمد بن یزید بن ماجہ لیکن پہلی بات زیادہ درست ہے، التھذیب ص۵۳۲ ج۹ البدایہ ص۵۲ ج۱۱ -

مذکورہ بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ماجہ آپ کے باپ ہی کا لقب ہے اور اس کو علامہ فیروز آبادی نے قاموس میں اور علامہ نووی رحؒ نے شرح ابن ماجہ میں صحیح قرار دیا ہے (ابن ماجہ اور علم حدیث ص۲)۔

وطن :- آپ کی نسبت قزوین کی طرف ہے۔ جو عراق کا مشہور شہر ہے اور ایران کے صوبہ آذر بائیجان میں واقع ہے، جو عہد عثمانی میں فتح ہوا تھا، سب سے پہلے اس شہر کی بنیاد شاہ پور ذوالاکتاف نے ڈالی تھی، قزوین کے متعلق علامہ الحموی نے معجم البلدان میں تفصیل سے بحث کی ہے، اور اس کے مناقب میں احادیث کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ معجم البلدان ص۸۱ ج۷ -

اساتذہ وشیوخ :- امام ابن ماجہ کے حالات لکھنے والوں نے نہ تو ان کے بچپن کے حالات ہی قلمبند کئے ہیں، اور نہ ہی آپ کی ابتدائی تعلیم کی نشاندہی کی ہے، تاہم تاریخ نے اس بات کو مامون رکھا ہے کہ آپ کے ورود مسعود کے وقت آپ کا مولد ومسکن قزوین علم حدیث کا گہوارہ بن چکا تھا۔ اس کے پیش نظر غالباً آپ نے ابتدائی عمر اور کم سنی ہی میں علم حدیث کی طرف قدم اٹھایا ہوگا، اور اپنی سنن میں جن مشائخ سے روایت لیتے ہیں، وہ ذیل میں مرقوم کرتے ہیں :-

(۱) علی بن محمد ابو الحسن طنافسی ۲۳۳ھ (۲) عمرو بن رافع ابو حجر بجلی ۲۳۷ھ۔

(۳) اسماعیل بن توبہ ابو سھل قزوینی ۲۴۷ھ (۴) ہارون بن موسیٰ بن حیان تمیمی ۲۴۸ھ

(۵) محمد بن ابی خالد ابو بکر قزوینی ـــــ

امام صاحب نے ان مشائخ سے علم حاصل کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا، بلکہ دور دراز کا سفر کیا، اور متعدد مشائخ سے حدیث کا سماع کیا، حافظ ابوالقاسم علی بن حسن متوفی ۵۷۱ھ نے ائمہ ستہ کے شیوخ پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے، جن میں امام ابن ماجہؒ کے شیوخ کا بھی ذکر ہے۔ ان میں سے چند مشہور اساتذہ کے نام یہ ہیں :-

ابراہیم بن منذر حزامی م ۲۳۶ھ ابوبکر بن ابی شیبہ م ۲۳۵ھ ہشام بن عمار م ۲۴۵ھ

جبارہ بن المغلس م ۲۲۱ھ عبداللہ بن معاویہ م ۲۴۳ھ محمد بن رمح م ۲۴۲ھ

داؤد بن رشید م ۲۹۳ھ محمد بن عبداللہ بن نمیر م ۲۳۴ھ وغیرہم۔

بعض نے آپ کے مشائخ رح کی تعداد تین صد سے زائد بتلائی ہے (تذکرۃ المحدثین ص۲۶۶)

امام ابن ماجہ جن شیوخ میں اصحاب صحاح الستہ کے ساتھ مشترک ہیں وہ درج ذیل ہیں :-

(۱) عباس بن عبدالعظیم عنبری م ۲۴۶ھ (۲) ابو حفص عمرو بن الفلاس م ۲۴۹ھ (۳) نصر علی الجھضمی م ۲۵۰ھ (۴) محمد بن بشار بندار م ۲۵۲ھ (۵) ابو موسیٰ محمد بن المثنی م ۲۵۲ھ (۶) یعقوب بن ابراہیم الدورقی م ۲۵۲ھ (۷) زیاد بن یحییٰ احسانی م ۲۵۴ھ (۸) محمد بن معمر قیسی لجرانی م ۲۵۵ھ (۹) ابو سعید الاشج عبداللہ بن سعید م ۲۵۷ھ (الاعتصام ۲۸ نومبر ۱۹۶۹ھ)

تلامذہ :- امام ابن ماجہؒ اہل حدیث کے ایک جلیل القدر محدث، امام اور بلند پایہ عالم تھے، آپ کو فن حدیث اور اس کے تمام متعلقات میں پورا عبور حاصل تھا، اسی لئے آپ کے علم سے بے شمار لوگ فیض یاب ہوئے، علم حدیث کے

ان خوشہ چین اصحاب میں سے چند یہاں ذکر کئے جاتے ہیں۔

ابراہیم بن دینار — احمد بن ابراہیم قزوینی — ابوالطیب احمد بن روح شعرانی بغدادی
احمد بن محمد مدنی — اسحاق بن محمد قزوینی — جعفر بن ادریس
ابوبکر حامد البہری — حسین بن علی — سلیمان بن یزید قزوینی
محمد بن عیسے صغار — ابوالحسن القطان — ابن سیبویہ
اسحق بن محمد وغیرہ۔

رحلت علمیہ:۔ امام ابن ماجہ کے زمانہ میں محدثین اکناف عالم میں پھیل چکے تھے آپ نے اکیس برس تک تو اپنے دولت کدہ ماوی محدثین قزوین ہی میں تعلیم حاصل کی، ۲۳۰ھ میں مختلف بلاد کا قصد کیا، چنانچہ علامہ خزرجی الخلاصہ میں لکھتے ہیں، (صفحہ ۳۴۰) "ارتحل ابن ماجہ بعد الثلثین۔"

مورخین نے آپ کے زیر سفر ممالک میں مندرجہ ذیل کا ذکر کیا ہے۔ خراسان، عراق حجاز، مصر، شام (التہذیب، التذکرہ، البدایہ)۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:۔ سمع بخراسان والعراق والحجاز و مصر والشام وغیرھا من البلاد

شیخ الاسلام کا وغیرہا سے مندرجہ بالا ممالک کے ہی انحصار کی نفی کرنا ہے، چنانچہ ہم اگر امام موصوف کے شیوخ کے اوطان پر نظر ڈالیں تو متعدد مقامات آپ کی رحلت علمیہ کا مورد نظر آتے ہیں، مثلاً اصفہان، اہواز، ایلہ، باکسایا، بالس، بغداد، بصرہ، بلخ، بیت المقدس، حرّان، حمص، رے، عسقلان، کوفہ، مدینہ، مکہ، مصر، نیشاپور، ہمدان، واسط وغیرہ (ابن ماجہ اور علم حدیث)

مگر یہ نہیں معلوم ہوسکا کہ آپ نے اپنے اس مبارک سفر کا آغاز کس ملک سے کیا۔

امام ابن ماجہ اہل فن کی نظر میں:۔ امام ابن ماجہ کی امامت، جلالت شان، ثقاہت عدالت کے ائمہ تک معترف ملتے ہیں، علامہ ذہبی رقمطراز ہیں:۔

قال ابو یعلی الخلیلی ابن ماجۃ ثقۃ کبیر متفق علیہ محتج بہ له معرفۃ وحفظ الخ۔ (التذکرۃ ص ۱۸۹ ج ۲)

امام ابوالقاسم رافعی کا بیان ہے :۔

سمع الکثیر وصنف السنن والتاریخ والتفسیر وکان عارفا بهذا الشان۔ التدوین ص۵۳ المنتظم ص۹۰ ج ۵

حافظ ابن کثیر رقمطراز ہیں :۔

هو ابو عبد الله محمد بن یزید بن ماجه صاحب کتاب السنن المشهورة وهی دالة علی عمله وعلمه وتبحره واطلاعه واتباعه للسنة فی الاصول والفروع البدایه ص۵۲ ج ۱۱

قاضی شمس الدین ابن خلکان لکھتے ہیں :۔

کان اماما فی الحدیث عارفا بعلومه وجمیع ما یتعلق به

(وفیات الاعیان ص۲۸۴ ج ۲ الشذرات ص۱۶۴ ج ۲)

حافظ ذہبی رح نے ان الفاظ کے ساتھ آپ کو سراہا ہے۔

ابن ماجه الحافظ الکبیر المفسر . . . . .

صاحب السنن والتفسیر والتاریخ ومحدث تلک الدیار (التذکرہ ص۱۸۹)

اور حافظ ابن حجر رح نے "احد الائمة حافظ" کے القاب سے یاد کیا ہے (التقریب)

تصانیف :۔ آپ نے اپنی تصانیف میں تین نہایت اہم تالیفات اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔

(۱) التفسیر" اس کی افادیت کا اندازہ مشہور مؤرخ ومفسر حافظ ابن کثیر رح کے بیان سے لگایا جا سکتا ہے، رقمطراز ہیں "لابن ماجه تفسیر حافل" بدایہ ص۵۲ ج۱۱۔

علامہ سیوطی نے بھی الاتقان میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ امام موصوف رح نے ابن جریر کی طرح اسناد کا بھی اہتمام کیا ہے۔

(۲) التاریخ" حافظ ابن کثیر رح فرماتے ہیں :۔

ولابن ماجه تاریخ کامل من لدن الصحابة الی عصره" رح البدایہ ص۹۵ ج ۱۱

اور امام ابو زرعہ فرماتے ہیں :۔

ورأیت له بقزوین تاریخا علی الرجال والامصار من عهد الصحابه الی عصره" شروط الائمہ ص۹۔

لیکن یہ دونوں کتابیں اپنی اہمیت کو منوا کے خدا جانے کہاں ہیں۔

"السنن" امام ابن ماجہ کا ایک قیمتی سرمایہ دراصل یہ کتاب السنن ہی ہے۔ جو بارہا زینت طبع سے آراستہ ہو چکی ہے، اور اس کی بدولت آپ کو بے پایاں شہرت میسر ہوئی، صحاح الستہ میں بھی اس کا شمار ہوتا ہے، اور شرقاً و غرباً مدارس میں متداول ہے

ترتیب و تعداد احادیث :- دیگر کتب سنن کی طرح اس میں ایمانیات سے وصایا تک جملہ ابواب فقہی کی ترتیب پر احادیث مندرج ہیں۔ جو ۳۲ کتب ۱۵۰۰ ابواب اور چار ہزار احادیث پر مشتمل ہے۔ لیکن شیخ محمد فواد عبدالباقی کی تعلیق ابن ماجہ جو ان دنوں شائع ہوئی ہے۔ اس میں انہوں نے کتابوں کی تعداد ۳۷، ابواب کی ۱۵۷۰ اور ۴۳۴۱ احادیث کی تعداد شمار کی ہے ان میں سے ۳۰۰۲ احادیث صحاح کی باقی پانچ کتابوں میں مذکور ہیں اور ۱۳۲۹ میں وہ منفرد ہیں جن میں ۴۲۸ احادیث صحیح ہیں۔ اور ایک سو انیس حسن الاسناد ہیں۔ علاوہ ازیں ۶۱۳ احادیث ضعیف الاسناد ہیں۔ اور ۹۹ احادیث واہی، منکر اور جن کے رواۃ کذاب ہیں (اعلام المحدثین ص۲۸۴) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوالحسن القطان کی بیان کردہ تعداد تقریبی ہے۔ قطعی نہیں ہے۔ (الاعتصام ج ۲۱ دسمبر ۱۹۶۹ء)۔ لیکن تعداد کی یہ تفصیل بھی محل نظر ہے کما لا یخفی لمن له ادنی ممارسة فی الحساب رھ

رواۃ سنن ابن ماجہ :- سنن ابن ماجہ کو جن رواۃ نے اپنے شیخ محمد بن یزید بن ماجہ سے روایت کیا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) "ابوالحسن القطان" حافظ ذہبیؒ نے انہیں صاحب ابن ماجہ (التذکرہ ص۱۸۹ ج۲) کے نام سے یاد کیا ہے۔

(۲) سلیمان بن یزید۔

(۳) ابو جعفر محمد بن عیسیٰ۔

(۴) ابوبکر حامد البھری۔

(۵) سعدون۔

(۶) ابراہیم بن دینار (التہذیب ص۔۔۔)۔

شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں۔ ابوالحسن القطان کہ صاحب روایت سنن اوست از

جملہ شاگردان رشید او است" لیکن ابوعیسیٰ البھری اور دوسرے بڑے لوگوں نے ان کو بڑوں میں شامل نہیں کیا (بستان صفہ ۱۹۹) مگر البھری نے انہیں کبار تلامذہ میں شمار نہیں کیا تو یہ عیب نہیں، کیونکہ شاید اس میں معاصرت کا رنگ غالب ہو، واللہ اعلم ۱۲

سنن ابن ماجہ اور اس کی اہمیت :- سنن ابن ماجہ حدیث کی ان مشہور کتابوں میں شمار ہوتی ہے جو صحاح ستہ کے نام سے مشہور ہیں، حافظ ابن کثیر اس کتاب کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس سے ابن ماجہ کے علمی تبحر اور کثرت معلومات کا پتہ چلتا ہے، امام ابن ماجہ کا اپنا بیان ہے۔

عرضت هذه السنن على أبي زرعة فنظر فيه وقال أظن إن وقع هذا في أيدي الناس تعطلت هذه الجوامع أو أكثرها۔ (التذكرة ص ۱۸۹ والبستان ص ۱۹۵)

حافظ ابوالقاسم عبدالکریم القزوینی الرافعی الشافعی م ۶۲۳ھ تاریخ قزوین میں رقمطراز ہیں :-

"والحفاظ يقرنون كتابه بالصحيحين وسنن أبي داؤد والنسائي ويحتجون بما فيه۔ شرح سندی بحوالہ ابن ماجہ وعلم حدیث ص ۱۲۹

حافظ ابن کثیر رح لکھتے ہیں :-

وهو كتاب مفيد قوي التبويب في الفقه (الباعث ص ۹۰)

اور علامہ ذہبی فرماتے ہیں :-

سنن أبي عبد الله كتاب حسن لولا ما كدره أحاديث واهية ليست بالكثيرة (التذكرة) ص

علامہ ذہبی رح نے جن چند احادیث کی طرف اشارہ کیا ہے وہ بقول ابوزرعہ ۳۰ ہیں۔ چنانچہ موصوف ان سے نقل کرتے ہیں :-

"لا يكون فيه تمام ثلاثين حديثا مما في إسناده ضعف" (التذکرہ)

لیکن حافظ ابن کثیر نے بھی امام ابوزرعہ ہی سے نقل کیا ہے۔

أنه انتقد منها بضع عشر حديثا" (البدایہ ص ۵۲ ج ۱۱ وشروط الائمہ ص ۱۶)

علامہ سیوطی رح حافظ ابوزرعہ کے اس قول پر نقد فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ۔

ابوزرعہ سے یہ قول سنداً صحیح ثابت نہیں ہے، بلکہ اس میں انقطاع ہے۔ بصورتِ دیگر یہاں ساقط روایات مراد لی ہیں، یا پھر کتاب کے ایک جزو کا ہی ملاحظہ فرمایا ہے، کیوں کہ انہوں نے تو ابن ماجہ کی متعدد احادیث کو باطل اور منکر گردانا ہے، جیسا کہ کتاب العلل لابن ابی حاتم میں منقول ہے۔ (مقدمہ زہر الربی ص ۱)

اس طرح حافظ ذہبیؒ نے اگرچہ التذکرہ میں ابن ماجہ کی ضعیف روایات کو "لیست بالکثیر" کہا ہے، لیکن دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:۔

وقول ابی زرعہ لعل لایکون فیہ تمام ثلاثین حدیثا فی سندہ ضعف او نحو ذالک ان صح کانما عنی بثلاثین حدیثا الاحادیث المطرحۃ الساقطۃ واما الاحادیث التی لا تقوم بھا حجۃ فکثیرۃ لعلھا نحو الف حدیث۔ انتھی سیر النبلاء وتوضیح الافکار ج ۱ ص ۲۳۳

غالباً یہی تیس روایتیں جنہیں حافظ ابوزرعہ نے موردِ طعن بنایا ہے، ابن جوزی نے انہیں اپنی موضوعات میں شمار کیا ہے۔ مولانا عبدالرشید نعمانی نے ان روایات کے علاوہ مزید چند روایات پر "ما تمس الیہ الحاجہ" ص ۳۸ تا ص ۵۴ میں بحث کی ہے۔ لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس میں متعدد ضعیف روایات ہیں، بلکہ حافظ مزیؒ نے تو یہ فائدہ بتلایا ہے۔ "کل ما انفرد بہ ابن ماجہ فھو ضعیف"

لیکن یہ درست نہیں، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اگرچہ سنن ابن ماجہ میں بہت سی منکر روایات ہیں۔ تاہم یہ حکم علی الاطلاق درست نہیں ہے۔ اور حافظ مزی کے اس قول کو رجال پر محمول کرنا زیادہ اولیٰ ہے (التہذیب)۔

لیکن حافظ ابن حجرؒ کا اسے رجال پر محمول کرنا بھی محل نظر ہے، مولانا عبدالرشید نعمانی نے "ابن ماجہ اور علم حدیث" میں اس پر تعاقب کرتے ہوئے لکھا ہے، کہ بہت سے منفرد راوی ایسے ہیں جنہیں ثقہ ہونے کے سبب ضعیف نہیں کہا جا سکتا، پھر اس کی چند امثلہ بھی ذکر کی ہیں۔ ص ۲۳۹، ۲ ابن ماجہ اور علم حدیث۔

الغرض ابن ماجہ میں ضعیف روایات موجود ہیں بھی تو اس کی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، اور یہ معیوب نہیں ہے۔ صحیحین کے علاوہ وہ کونسی ایسی حدیث کی کتاب ہے۔ جس میں ضعیف روایات نہیں ہیں۔ اور پھر بھی ان کی افادیت مسلم ہے

حافظ ابن حجر رح ابن ماجہ پر اسی سلسلہ میں بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

کتابہ فی السنن جامع جید کثیر الابواب والغرائب وفیہ احادیث ضعیفۃ جداً (رجال التہذیب)

کیا سنن ابن ماجہ صحاح ستہ میں داخل ہے ؟۔

سنن ابن ماجہ کو سب سے پہلے ابو طاہر مقدسی م ۵۰۷ھ نے اصول میں داخل کیا ہے ۔۔ اور اصحاب رجال میں سب سے پہلے حافظ عبد الغنی المقدسی المتوفی ۶۰۰ھ نے الکمال میں ابو طاہر کی موافقت کرتے ہوئے صحاح خمسہ کی چھٹی کتاب اس کو قرار دیا ہے ۔ متاخرین نے انہی کی رائے سے اتفاق کیا ہے ، علامہ سیوطی رح لکھتے ہیں :۔

متابعۃ اصحاب الاطراف والرجال " تدریب)

اس سے قبل حدیث کی اہم ترین کتابیں صحیحین ، ابوداؤد ، اور سنن نسائی ہی شمار ہوتی ہیں ۔ جیسا کہ حافظ ابن السکن اور حافظ ابن مندہ سے اس کی تصریح منقول ہے ، پھر حافظ ابوطاہر سلفی رح نے سنن ترمذی کو بھی ان میں شامل کیا ، علامہ نووی رح اور حافظ ابن الصلاح نے بھی ان پانچ کتابوں کے مصنفین کی ہی وفیات ذکر کی ہیں ۔ حالانکہ اس سے قبل حافظ ابو الطاہر نے ابن ماجہ کو اصول کی کتاب قرار دیا تھا ۔

" ابن الصلاح ص ۳۸۲ طحلب التقریب النوع الستون

لیکن حافظ صلاح الدین خلیل الدین م ۷۶۱ھ نے سنن دارمی کو چھٹی کتاب قرار دیا ہے ، اور علامہ سیوطی کی تصریح کے مطابق حافظ کا بھی یہی رجحان معلوم ہوتا ہے ۔ چنانچہ فرماتے ہیں :۔

وقال شیخ الاسلام لیس دون السنن فی المرتبۃ بل لو قسم الی الخمسۃ اولی من ابن ماجہ فانہ امثل منہ بکثیر (التدریب)

لیکن حافظ ابن حجر رح کا یہ قدیم قول معلوم ہوتا ہے ، کیوں کہ حافظ مغلطائی کے قول انہ اول من صنف الصحیح وقلدہ احمد بن حنبل وتلدہ الدارمی پر تعقب کرتے ہوئے حافظ رح لکھتے ہیں :۔

کیف ولو اطلق علیہ ذالک من یعتمد علیہ لکان الواقع فلا نہ لما

فی الکتاب المذکور من الاحادیث الضعیفۃ المنقطعۃ و

الموضوعۃ۔" (توضیح الافکار ص۳۹ ج۱)

شیخ الاسلام کی اس تصریح کے ہوتے ہوئے یہ گمان درست نہیں کہ سنن دارمی، سنن ابن ماجہ سے اولی ہے، اور پھر تہذیب و تقریب کا مطالعہ آپ کے سنن ابن ماجہ کو اصول کی چھٹی کتاب شمار کرنے کی غمازی کرتا ہے۔ جو ایک منہ بولتی دلیل ہے۔

اس کے برعکس حافظ رزین اور ابن اثیرؒ نے موطا کو چھٹی کتاب قرار دیا ہے۔ اور اہل مغرب کا بھی یہی مذہب ہے۔ ابن اثیر نے اگرچہ اسے چھٹی کتاب شمار نہیں کیا ہے تاہم فرماتے ہیں:۔

"کتابہ ھذا مفید قوی النفع فی الفقہ (کامل لابن اثیر ص۲۹ ج۷)"

لیکن انصاف کا یہی تقاضا ہے کہ ابن ماجہ اصول کی کتاب شمار کی جائے۔ جمہور کی یہی رائے ہے۔ اور مؤطا، کو صحت کے لحاظ سے ابن ماجہ پر کہیں بالاتری حاصل ہے۔ اور جن علماء نے اسے چھٹی کتاب کہا ہے، انہوں نے باعتبار صحت کے یہ حکم نہیں لگایا بلکہ کثرت روایات کے سبب یہ حکم لگایا ہے، چنانچہ حافظ سخاویؒ فرماتے ہیں:۔

"وقدمہ (ای ابن ماجہ) علی المؤطا لکثرۃ زوائدہ علی الخمسۃ بخلاف المؤطا۔" (فتح المغیث ص۲۳)

مگر متقدمین میں اسے اصول میں شمار کرنے پر اختلاف رہا ہے، تاہم متاخرین میں بجز شاہ ولی اللہ صاحب کے تمام ابن ماجہ ہی کو اصول ستہ میں شمار کرتے ہیں۔ چنانچہ حافظ ابوالحسن السندی فرماتے ہیں:۔

"غالب المتاخرین علی انہ سادس الستۃ"

(مقدمہ شرح ابن ماجہ للسندی)

اور یہی قول حافظ ابن کثیر، ابن خلکان اور دیگر اصحاب فن سے منقول ہے، اور یہی جمہور کا مسلک ہے، ہم نے صحاح ستہ کی تعیین میں اختلاف اور قول راجح کے عنوان پر قدرے تفصیل سے بحث کی ہے جو فائدہ سے خالی نہیں ہے۔

صحت کے اعتبار سے سنن ابن ماجہ کا درجہ:۔

مذکور الفوق سے معلوم ہو چکا ہے

کہ "ابن ماجہ" صحاح الستہ میں شمار ہوتی ہے، اور اس کا ان کتب خمسہ کے بعد درجہ و مقام ہے۔ محدث السندیؒ فرماتے ہیں :۔

"غالب المتاخرین علی انہ سادس الستۃ" (مقدمہ شرح ابن ماجہ للسندی)

اسی طرح ابن الوزیر الیمانی رقمطراز ہیں :۔

والسنن ابن ماجہ فانہا دون ھذین الجامعین (ای عن ابی داؤد والنسائی) تنقیح الانظار ص۲۲۲ ج۱۔

لیکن یہ ترجیح مجموعی اعتبار سے ہے نہ کہ کتب خمسہ کی ہر روایت کی صحت کے اعتبار سے کہ ابن ماجہ کی ہر روایت کتب خمسہ کی ہر روایت پہ فوقیت رکھتی ہو۔ بلکہ مولانا عبدالرشید نعمانی نے یہاں تک لکھا ہے کہ سنن میں بہت سی حدیثیں ایسی بھی ہیں جو صحت میں صحیح بخاری کی حدیثوں سے بھی اصح جس پہ انہوں نے تین امثلہ بھی ذکر کی ہیں لیکن یہ بات قابل غور ہے کہ یہ تینوں روایتیں اصول سے متعلق نہیں۔

خصوصیات ابن ماجہ :۔ سنن ابن ماجہ گو صحاح میں آخری درجہ کی کتاب ہے تاہم اس میں چند خصوصیات ایسی ہیں جو اسے دیگر کتب سے ممتاز کرتی ہیں۔

(۱) اس میں بہت سی ایسی حدیثیں ہیں، جن سے صحاح کی دوسری کتابیں خالی ہیں۔ اور علماء کے نزدیک یہی وجہ اس کے اصول میں شمار کئے جانے کی ہے، کما تقدم۔

(۲) حسن ترتیب و تبویب کے لحاظ سے بھی اسے امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ پھر اس میں تکرار نہیں ہے۔ شاہ عبدالعزیز رحؒ فرماتے ہیں :۔

دفی الواقع از حسن ترتیب وسرد حدیث بے تکرار آنچہ ایں کتاب دارد ہیچ از کتب ندارد" بستان ص۱۱۲ مترجم

(۳) مسائل و احکام میں اس قدر جامع ہے، کہ امام ابوزرعہ دیکھ کر فرماتے ہیں، کہ اس کے سامنے دوسری جوامع و مصنفات بیکار ہو کر رہ جائیں گی۔ امام موصوف کا یہ قول بے شک بجا ہے، شاہ عبدالحق رحؒ اسی ضمن میں فرماتے ہیں :۔

اگر کسی کو بہت زیادہ متون پر مشتمل کتاب کی تلاش ہو تو اسے ابن ماجہ

کا مطالعہ کرنا چاہیئے، اس وصف میں وہ دوسری کتابوں سے منفرد و ممتاز ہے۔ (حواشی سعدی) ۔

(۴) صحاح میں اگرچہ اس کا چھٹا مقام ہے، لیکن علو سند کا یہ عالم ہے کہ اس میں پانچ ثلاثی احادیث مروی ہیں ۔

(۵) متعدد مقامات پر غریب احادیث کی تفصیل بھی مذکور ہے مثلاً باب ماجاء فی الخطبہ یوم الجمعہ، باب من فاتتہ الاربع قبل الظہر باب ماجاء فی صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مرضہ" باب الولیمۃ، باب الاقتصاد فی طلب المعیشۃ" باب کسب الحجام (ابن ماجہ وعلم حدیث)

(۶) بسا اوقات مختلف بلاد کی جو مخصوص روایات ہوتی ہیں۔ ان کی نشاندہی بھی فرماتے ہیں۔ جس سے حدیث نبوی کے ساتھ اس عہد کے مسلمانوں کے تعلق کا پتہ چلتا ہے۔ مثلاً باب ماجاء فیما یستحب من التطوع بالنہار کے تحت حبیب بن ثابت کی روایت لانے کے بعد اس حدیث کے راوی ابواسحٰق کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں :۔

ما احب ان لی بحدیثک ھذا ملأ مسجدک ذھباً"

اسی قسم کے مفید اور مزید اشارے مندرجہ ذیل ابواب میں ملتے ہیں۔ باب وقت صلوٰۃ المغرب، باب ذکر وفاتہ ودفنہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب من طلق امۃ تطلتقین، کتاب الفتن من فتنۃ الدجال کی روایت ابن ماجہ اور علم حدیث صہ ۲۳ ۔

ثلاثیات ابن ماجہ پر ایک نظر :۔ جیسا کہ ہم ذکر کر آئے ہیں، ابن ماجہ کی جملہ خصوصیات میں ایک علو سند بھی اسے ممتاز کرتی ہے، کہ اس میں پانچ ثلاثیات مروی ہیں۔ البتہ صحت کے اعتبار سے اتنا وزن نہیں رکھتیں۔ اس لئے کہ کثیر بن سلیم پر ان جملہ روایات میں محدثین نے جرح کی ہے۔ امام نسائی رح نے تو اسے متروک کہا ہے۔ امام ابن مدینی ابوحاتم اور ابن معین نے ضعیف کہا ہے، امام بخاری رح فرماتے ہیں۔

دکثیرا بو ھشام اراہ ابن سلیم عن انس منکر الحدیث (میزان)
اوریہ تمام روایات کثیر نے حضرت انسؓ سے بیان کی ہیں۔ جو درج ذیل الواب ہیں
مروی ہیں۔
(۱) باب الوضوء عند الطعام (۲) باب الشراء (۳) باب الضیافۃ
(۴) باب صفۃ امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم (۵) باب الحجامۃ
میزان میں جبارہ بن مغلس بھی متکلم فیہ ہے۔

شروح وتعلیقات:- سنن ابن ماجہ کا مقام اگرچہ سنن نسائی کے بعد ہے، لیکن تعلیقات وشروح کا سلسلہ جو ابن ماجہ سے متعلق ہے، وہ سنن نسائی سے نہیں، اور یہ ابن ماجہ کی رفعت شان میں خاطر خواہ اضافہ کو مستوجب ہے۔ اس سلسلہ میں جن اعیان نے اس مقدس کتاب سے علاقہ رکھا ہے وہ درج ذیل ہیں:

(۱) سب سے پہلے ابن ماجہ پر حافظ مغلطائی م ۷۶۲ھ نے اس پر ایک جامع شرح لکھی لیکن وہ نامکمل رہی، اس کیفیت میں پانچ جلدوں پر مشتمل ہے۔ اور اس میں صرف ایک حصہ کی شرح ہے۔ اور بعض نے اس کی آٹھ جلدیں بتلائی ہیں۔ الاعتصام ماہ دسمبر ۱۹۶۹ء۔
(۲) ایک شرح ابن رجب زبیری کی ہے، جو ابن رجب مشہور سے متاخر ہیں۔
(۳) ما تمس الیہ الحاجہ علی سنن ابن ماجہ یہ شرح ان احادیث کی ہے جو کتب خمسہ سے زائد ہیں۔ جسے حافظ عمر بن علی بن الملقن م ۸۰۴ھ نے مرتب فرمایا ہے، آٹھ جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔
(۴) الدیباجہ فی شرح سنن ابن ماجہ" یہ شرح کمال الدین بن محمد موسیٰ دمیری کی ہے جو پانچ جلدوں پر مشتمل ہے۔ علامہ شوکانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:-
"مات قبل تبییضھا (البدر الطالع)
(۵) ایک مختصر شرح حافظ برہان الدین ابراہیم بن محمد الحلبی م ۸۴۱ھ کی ہے۔
(۶) مصباح الزجاجہ کے نام سے علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے ابن ماجہ کی شرح لکھی ہے، جو دراصل حاشیہ کی صورت میں ہے۔
(۷) نور مصباح الزجاجہ" یہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ کی مصباح کا اختصار ہے جسے شیخ علی بن سلیمان نے مرتب کیا ہے، مصر میں طبع ہو چکی ہے۔

(۸) محدث ابوالحسن محمد بن عبد الہادی سندھی حنفی م ۱۱۳۸ھ نے بھی شرح لکھی ہے جو علامہ سیوطی کی مصباح سے مبسوط ہے۔ آپ نے اس میں الفاظ غریبہ کا حل اور بیان اعراب کا خصوصیت سے اہتمام کیا ہے، یہ مصباح سے جامع ہے۔

(۹) انجاح الحاجۃ" یہ شیخ عبد الغنی مجددی رح دہلوی م ۱۲۹۵ھ کی شرح ہے اور مطبوع ہے

(۱۰) مولانا فخر الحسن گنگوہی کا حاشیہ بھی موجودہ مطبوع ابن ماجہ پر ملتا ہے، آپ نے علامہ سیوطی رح اور علامہ مجددی رح کے حواشی کو اضافوں کے ساتھ اسمیں سمو دیا ہے

(۱۱) مفتاح الحاجہ" یہ شیخ محمد علوی کا حاشیہ ہے جو اصح المطابع لکھنؤ سے شائع ہوا

(۱۲) ان دنوں شیخ محمد فواد عبد الباقی جو بقید حیات ہیں کی تعلیقات کے ساتھ نہایت عمدہ اور جلی خط اور اعلیٰ کاغذ کے ساتھ مطبوع ہے۔ ابن ماجہ کا اس سے بہتر ایڈیشن اس سے قبل شائع نہیں ہوا۔ مؤلف زید مجدہ نے سند و متن پر اعراب وغیرہ بھی لگا دیئے ہیں، کتب، ابواب اور احادیث کو عرق ریزی کے ساتھ شمار کیا ہے۔ اور افراد ابن ماجہ پر حدیث کی حیثیت کو بھی واضح کر دیا ہے مزید یہ کہ حروف تہجی کی ترتیب پر سنن کی تمام مندرجہ احادیث کی فہرست بھی دی گئی ہے، جس سے یہ سہولت ہو پائی ہے کہ حدیث کے پہلے جملہ کو ذہن نشین رکھتے ہوئے اسے تلاش کرنا دشوار نہیں ہے۔

(۱۳) رفع العجاجہ عن سنن ابن ماجہ۔ یہ مشہور مترجم علامہ وحید الزمان صاحب کا اردو ترجمہ ہے، گویا ایک مختصر شرح ہے۔ تین ضخیم جلدوں میں لاہور سے ۱۳۱۰ھ میں طبع ہو چکی ہے۔

(۱۴) علامہ ذہبی رح نے ابن ماجہ کے ان رواۃ پر جو صحیحین سے زائد ہیں، ایک مستقل کتاب لکھی ہے، جس کا نام المجرد فی اسماء الرجال ابن ماجہ ہے، اس کا قلمی نسخہ دمشق کے مکتبہ خانہ ظاہریہ میں موجود ہے

(۱۵) زوائد ابن ماجہ یہ حافظ شہاب الدین ابو بکر بوصیری م ۸۴۰ھ کی تالیف ہے جس میں انہوں نے ہر حدیث کی اسنادی حالت ذکر کی ہے، اس کا کچھ حصہ علامہ سندھی کے حاشیہ میں آگیا ہے

ادارہ علوم اثریہ

لائل پور

اس ادارے میں تخصص فی الحدیث کے سلسلہ میں جید علماء پر مغز محاضرات اور علوم حدیث کے بارہ میں علمی و تحقیقی ماحول کا پورا پورا اہتمام ہے۔

طلبا کو ادارہ کی طرف سے معقول وظیفہ بھی دیا جاتا ہے۔ تاکہ پوری یکسوئی کے ساتھ یہ اپنی ذہنی و فکری صلاحیتوں کو ریاض نبوت کی خوشہ چینی میں صرف کر سکیں۔

علوم حدیث میں تخصص اور تبحر کے علاوہ ان کو تفصیل سے ان فتنوں سے بھی آگاہ کیا جاتا ہے جن کو دور حاضرہ کی مادیت پرستانہ تہذیب نے جنم دیا ہے۔

محمد اسحاق چیمہ ۔ ناظم ادارہ علوم اثریہ
لائل پور